# تعمیرِ حیات لکھنؤ

پندرہ روزہ

شعبۂ تعمیر و ترقی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جلد نمبر ۱۹ | ۱۰ مارچ ۱۹۸۲ء | ۱۳ جمادی الاول ۱۴۰۲ھ | شمارہ نمبر ۹



زرِ تعاون

اندرون ملک ——— بیس روپے

فی پرچہ ——— ایک روپیہ

بیرون ملک۔ بری ڈاک۔ جوائنٹ ۵ پونڈ

ہوائی ڈاک

ایشیائی ممالک ——— ۷ پونڈ

افریقی ممالک ——— ۸ پونڈ

یورپ و امریکہ ——— ۱۰ پونڈ


اداریہ

ابوالعرفان ندوی

## مولانا محمد ثانی رح

قارئین تعمیرِ حیات کو یہ افسوس ناک خبر اخبارات اور دوسرے ذرائع سے معلوم ہو چکی ہوگی کہ مولانا سید محمد ثانی حسنی ندوی مرحوم کا ۱۶ فروری کو انتقال ہوگیا۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

ان کا انتقال صرف ان کے خاندان ہی کا خسارہ نہیں ہے بلکہ دارالعلوم ندوۃ العلماء اور ملتِ اسلامیہ ہندیہ کا بھی بہت بڑا خسارہ ہے۔ وہ دارالعلوم ندوۃ العلماء کی مجلسِ انتظامیہ کے رکن "ماہنامہ" رضوان" کے ایڈیٹر اور مدرسہ فلاح المسلمین امین نگر رائے بریلی کے ناظم تھے۔ اور علمی، عملی اور دینی حیثیت سے ایک بلند مقام پر فائز تھے۔ ورع، تقوٰی اور عمل میں وہ اللہ کے محبوب بندوں میں تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت سی خصوصیات اور صلاحیتوں سے نوازا تھا اور مرحوم نے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ان نعمتوں کا حق بھی ادا کیا، تصنیفی صلاحیت جو رائے بریلی کے حسنی خاندان کا ایک وصف خصوصی ہے، میں ان کا درجہ بہت بلند تھا۔ مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ امیر جماعت تبلیغ کے حالات و سوانح پر ان کے قلم سے ایک مبسوط کتاب نکل چکی ہے اور اسی طرح محدث جلیل شیخ طریقت اور استاذ الکل مولانا خلیل احمد سہانپوری رحمۃ اللہ علیہ کے حالات و سوانح پر بھی مرحوم نے کتاب لکھی ہے۔ ان کا تصنیفی مشغلہ برابر جاری رہتا تھا اور اس سلسلہ سے اپنے برادر عزیز مولانا محمد الحسنی مرحوم مؤسس مدیر عربی ماہنامہ "البعث الاسلامی" کے حالات و سوانح زیر ترتیب و تالیف تھے ان کا شعری ذوق بہت بلند تھا۔ "ترانۂ ندوہ" اور ان کی بہت سی نظمیں ان کے اس ذوق کی نشان دہی کرتی ہیں۔

اگر آئندہ ان کی زندگی نے وفا کی ہوتی تو بہت سی دینی، علمی اور اصلاحی چیزیں ان کی طرف سے سامنے آتیں، لیکن مشیتِ الٰہی اور قضا و قدر کے فیصلوں کے سامنے انسان بالکل بے بس اور مجبور ہے۔

مرحوم کے ارتحال کا حادثہ اس نوعیت کا ہے کہ ہر مرحلہ پر انسانی عقل و تجربہ اور تدبیر کی درماندگی اور ناکامی واضح طور پر معلوم ہوتی ہے۔ ان کے حقیقی بھائیوں، اہلِ خاندان ندوہ کے اساتذہ و طلبا، اور محبین و ہمدردوں کی اتنی بڑی تعداد ہوتے ہوئے جہاں نہ وسائل کی کمی تھی اور نہ اصحابِ عقل و تجربہ اور صحیح مشورہ دینے والوں کی کمی تھی اور نہ ماہر و مخلص ڈاکٹروں کی کمی تھی لیکن اس کے باوجود مشیتِ الٰہی میں جو چیز مقدر تھی وہ ہو کے رہی۔ اور مولانا محمد ثانی مرحوم ہم لوگوں سے جدا ہو گئے۔ وہ اب اس دنیا میں پہونچ گئے ہیں جہاں ان کو ان کی نیکیوں کا بھرپور صلہ مل رہا ہوگا۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو درجۂ شہادت سے نوازا۔

اگر اسی عالمِ اسباب میں ایک جان دے کر دوسری جان بچائی جاتی اور تفدیہ و قربانی انسانی جانوں میں بھی ہوا کرتا تو ضرور ہزاروں انسان مولانا مرحوم کی زندگی بچانے کے لئے سامنے آجاتے۔ محبین اور تعلق و عقیدت رکھنے والوں کی کمی نہیں تھی۔ بقول عربی شاعر ؎

لقد کنت فی قوم علیک أشحۃ
بنفسک الا اَنّ ما طاح طائع
یودون لو خاطوا علیک جلودھم
ولا تدفع الموت النفوس الشحائح

ادارۂ تعمیرِ حیات مولانا محمد ثانی حسنی ندوی مرحوم کے سانحۂ ارتحال پر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی دامت برکاتہم، مرحوم کی والدۂ محترمہ اور انکے برادرانِ دامادان و اولاد اور جملہ اہلِ خاندان کی خدمت میں تعزیت مسنونہ پیش کرتا ہے اور مرحوم کے لئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ترقیٔ درجات اور پسماندگان کے لئے صبرِ جمیل کی دعا کرتا ہے۔

اسی دائرہ میں اگر سُرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے لہٰذا اگر آپ پرچہ جاری رکھنا چاہتے ہیں کہ دین و ادب کا خادم، ندوۃ العلماء کا ترجمان، آپ کی خدمت میں پہنچتا رہے تو اس کا سالانہ چندہ مبلغ بیس روپے ارسال فرمائیے۔ اگر اگلے شمارہ کی روانگی سے پہلے آپ کا چندہ یا خط موصول نہ ہوا تو یہ سمجھ کر کہ آپ کو دی۔ پی کی سے چندہ ادا کرنے میں سہولت ہے۔ اگلا پرچہ منع دی۔ پی خرچ Rs. 24/25 کے مطالبہ میں دی۔ پی سے روانہ ہوگا۔ چندہ یا خط بھیجتے وقت اپنا نمبر خریداری لکھنا نہ بھولیں۔



کتاب و سنت سے

# روزہ

مولانا سید عبدالحی حسنی

آیات:

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ۝

مومنو! روزے تم پر فرض کئے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ پرہیزگار بنو۔

فَمَنْ شَھِدَ مِنْکُمُ الشَّھْرَ فَلْیَصُمْہُ وَمَنْ کَانَ مَرِیْضًا اَوْ عَلٰی سَفَرٍ فَعِدَّۃٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ۔

تو جو کوئی تم میں سے اس مہینہ میں موجود ہو چاہیئے کہ پورے مہینے کے روزے رکھے اور جو بیمار ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے دنوں میں (رکھ کر) ان کا شمار پورا کرلے۔

وَعَلَی الَّذِیْنَ یُطِیْقُوْنَہٗ فِدْیَۃٌ طَعَامُ مِسْکِیْنٍ۔

اور جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت رکھیں (لیکن رکھیں نہیں) وہ روزہ کے بدلہ محتاج کو کھانا کھلا دیں۔

---

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ قریش زمانۂ جاہلیت میں عاشورا کا روزہ رکھتے تھے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشورا کا روزہ رکھنے کا حکم دیا، حتیٰ کہ رمضان المبارک کا روزہ فرض کیا گیا، اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو چاہے عاشورا کا روزہ رکھے اور جو چاہے نہ رکھے۔ (بخاری)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! جب رمضان المبارک کا مہینہ آجاتا ہے تو آسمان کے دروازے کھول دئے جاتے ہیں، جہنم کے دروازے بند کر دئے جاتے ہیں اور شیطان زنجیروں میں جکڑ دیئے جاتے ہیں۔ (بخاری)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ بنی آدم کے ہر عمل کی نیکی دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک بڑھائی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا سوائے روزہ کے کہ وہ میرے لئے ہے اور میں خود اس کا بدلہ دوں گا کہ بندہ اپنی خواہش اور کھانے کو میرے سبب سے چھوڑ دیتا ہے، روزہ دار کے لئے دو خوشیاں ہیں، ایک خوشی افطار کے وقت، ایک خوشی اپنے رب سے ملاقات کے وقت، روزہ دار کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے بھی اچھی ہے۔ (مسلم)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو بندہ بھی اللہ کے لئے ایک دن روزہ رکھتا ہے اس روزہ کے سبب سے اللہ تعالیٰ اس کے چہرہ کو آگ سے دور فرما دیتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے یقین اور ثواب کی امید کے ساتھ روزہ رکھا اس کے پچھلے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ (متفق علیہ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب تم میں سے کوئی روزہ سے ہو، فحش کلامی نہ کرے، شور و شغب نہ مچائے اگر کوئی اس کو برا بھلا کہے یا لڑے جھگڑے تو دو مرتبہ کہے کہ میں روزہ سے ہوں۔ (متفق علیہ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ، اگر تم میں سے کوئی بھول کر کھا پی لے تو روزہ پورا کرے اس کو اللہ نے کھلایا پلایا ہے۔ (متفق علیہ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص دروغ گوئی اور اس پر عمل کو ترک نہ کر سکے تو اللہ تعالیٰ کو اس کی ضرورت نہیں کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑے۔ (بخاری)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ فجر کا وقت ہو جاتا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیویوں سے تقاضۂ بشری پورا کرنے کے سبب حالتِ جنابت میں ہوتے تھے پھر آپ غسل فرماتے اور روزہ رکھتے۔ (متفق علیہ)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، لوگ جب تک افطار میں جلدی کرتے رہیں گے اچھے حال میں ہوں گے۔ (متفق علیہ)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے فرمایا، سحری کیا کرو سحری میں برکت ہے۔ (متفق علیہ)

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سحری کی، سحری سے فارغ ہوئے تو نماز کو نکلے۔ پوچھا گیا سحری اور نماز میں کتنا فاصل تھا؟ جواب میں فرمایا اتنا فاصل تھا جتنی دیر میں پچاس آیتیں پڑھی جائیں۔ (متفق علیہ)

حضرت حمزہ بن عمرو اسلمی سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اللہ کے رسول میں سفر میں روزہ رکھنے کی طاقت رکھتا ہوں، کیا میں سفر میں روزہ رکھوں تو کوئی حرج ہے؟ آپ نے فرمایا یہ رخصت ہے۔ جس نے رخصت پر عمل کیا اچھا کیا اور جس نے روزہ رکھنا پسند کیا اس کے لئے کوئی حرج نہیں۔ (مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، رمضان المبارک شروع ہونے سے ایک دو دن قبل روزہ نہ رکھو، ہاں ایسا آدمی جو پہلے سے روزہ رکھ رہا تھا وہ رکھ سکتا ہے۔ (متفق علیہ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان المبارک کا ذکر فرمایا، فرمایا جب تک چاند نہ دیکھو روزہ نہ رکھو اسی طرح سے جب تک چاند نہ دیکھو روزہ چھوڑو نہیں اگر بدلی کے سبب چاند نہ دکھائی دے تو تیس دن پورے کرلو۔ (متفق علیہ)

حضرت ابوقتادہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یوم عرفہ کے روزہ سے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا عرفہ کا روزہ سال کے گزشتہ اور باقی دنوں کا کفارہ بن جاتا ہے (یعنی پورے سال کا) آپ سے دوشنبہ کے روزے کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا یہ وہ دن ہے جس دن میں پیدا ہوا اور اسی دن مجھے نبوت عطا ہوئی یا یہ فرمایا کہ اسی دن مجھ پر وحی نازل ہوئی، (مسلم)

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے رمضان المبارک کے روزے رکھے پھر چھ روزے شوال کے رکھ لئے تو گویا اس نے سال بھر کا روزہ رکھا۔ (مسلم)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو حکم دیا کہ ہر مہینہ کے تین دن ۱۳، ۱۴، ۱۵ کو روزہ رکھا کریں۔ (ترمذی، نسائی)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دن روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے، عید الفطر اور یوم نحر (عید الاضحیٰ)۔ (متفق علیہ)

حضرت نبیشہ ہذلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایام تشریق کھانے پینے اور اللہ کا ذکر کرنے کے دن ہیں۔ (مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے ایمان اور ثواب کی امید پر یقین کیساتھ روزہ رکھا اس کے پچھلے سارے گناہ معاف ہو جائیں گے۔ (متفق علیہ)


بقیہ ص ۷

# مکتوب مدینہ منورہ

المخدوم المکرم حضرۃ الحاج علی میاں صاحب زاد مجدکم

بعد سلام مسنون!

کل ۱۶ فروری کو ظہر کی نماز کے بعد عزیزی مولوی حبیب اللہ نے حادثہ جانکاہ کی خبر سنائی کہ ظہر سے پہلے جب کہ میں سو رہا تھا نور ولی صاحب کا ملازم آیا اور یہ خبر بتا گیا کہ آج ساڑھے گیارہ بجے "محمد ثانی حسنی کا انتقال ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون، اللھم اجرنا فی مصیبتنا وعوضنا خیرا منھا، للہ اخذ ولہ ما اعطی وکل شیٔ عندہ بمقدار۔ ان العین تدمع، والقلب یحزن، ولا نقول الا ما یرضی ربنا، وانا بفراقک یا محمد لمحزونون۔

علی میاں! وما الدھر والایام الا کما اری
رزیۃ مال او فراق حبیب
وان امرا قد جرب الدھر لم یجد
تقلب عصریہ لغیر لبیب

علی میاں! حضرت امام شافعیؒ کا وہ شعر یاد آرہا ہے جو انھوں نے حضرت امام عبدالرحمٰن بن مہدی کو ان کے صاحبزادے کی تعزیت میں لکھا تھا ؎

انی معزیک لا انی علی ثقۃ — من الحیاۃ ولکن سنۃ الدین
فما المعزی بباق بعد میتہ — ولا المعزی ولو عاشا الی حین

علی میاں! حادثہ جانکاہ کی خبر سنکر دل پر کیا گزری بیان نہیں کرسکتا۔ ادھر آپ کی پیرانہ سالی اور پے در پے حادثات کا تسلسل اور بھی موجب رنج وقلق ہے مگر محض رنج وقلق سے نہ تو جانے والے کو فائدہ، نہ رہنے والے کو سکون، میں تو خبر سنتے ہی اپنے دستور کے موافق دوستوں کو ایصال وثواب اور دعائے مغفرت کی تاکید شروع کردی کہ میرے یہاں یہی اصل تعزیت ہے، اور اس کے بہت سے واقعات میری آپ بیتی میں بھی گزر چکے ہیں، اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے، اجر جزیل عطا فرمائے اور پسماندگان کو خصوصاً آپ کو صبر جمیل،

اس وقت رہ رہ کر عزیز مرحوم کی خوبیاں اور باتیں یاد آرہی ہیں، اور آپ کا خیال بھی بار بار آرہا ہے کہ آپ پر کیا گزری ہوگی۔

قربان جائیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر کہ ہر حرکت وسکون کے اعمال کو ہمارے لئے بیان فرمائے اور اللہ تعالیٰ جزائے خیر ان صحابہ اور محدثین کو جو ان سب چیزوں کو محفوظ فرماگئے، اس وقت بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک تعزیتی مکتوب جو حضرت معاذ بن جبل کو لکھوایا تھا نقل کررہا ہوں، حضرت معاذ کے ایک صاحبزادے کا انتقال ہوگیا اسی پر آپ نے مکتوب مبارک لکھوایا۔

من محمد رسول اللہ الی معاذ بن جبل، سلام اللہ علیک، فانی احمد اللہ الذی لا الہ الا ھو، اما بعد: فعظم اللہ لک الاجر والھم الصبر ورزقناک وایاک الشکر، ثم ان انفسنا واموالنا واھالینا واولادنا من مواھب اللہ عزوجل الھنیئۃ وعواریہ المستودعۃ، متعک اللہ بہ فی غبطۃ وسرور، وقبضہ باجر کثیر: ان صبرت واحتسبت لا تجمعن علیک یا معاذ ان یحبط جزعک اجرک فتندم علی ما فاتک فلو قدمت علی ثوابک مصیبتک عرفت ان المصیبۃ قد یصبرن عنہ واعلم ان الجزع لا یرد میتا ولا یدفع حزنا۔ فلیذھب أسفک ما ھو نازل بک فکان قد، والسلام۔

اور یہ حدیث تو مشہور ہے ہی، مایزال البلاء بالمومن والمومنۃ فی نفسہ وولدہ ومالہ حتی یلقی اللہ تعالیٰ وما علیہ خطیئۃ۔

پھر "اشد الناس بلاء الانبیاء، ثم الامثل فالامثل یبتلی الناس علی قدر دینھم، فمن ثخن دینہ اشتد بلاءہ، ومن ضعف دینہ ضعف بلاءہ، وان الرجل لیصیبہ البلاء حتی یمشی فی الارض ما علیہ خطیئۃ۔ بھی آپ کے اور آپ کے اہل خاندان کے حسب حال ہے۔

اپنی بیماری اور معذوری میں یہ مختصر خط لکھوایا ہے، اسی کو عزیز مرحوم کی اہلیہ اور بچوں کو بھی پڑھوادیں اور اپنے دیگر اعزہ کو بھی، ہر ایک کو الگ الگ لکھوانا میرے لئے اس حال میں بہت مشکل ہے۔ اخیر میں اس خط کو اس بدری کے دو شعروں پر ختم کرتا ہوں جو اس نے حضرت عباسؓ کی وفات پر عبد اللہ بن عباسؓ کو بطور تعزیت سنائے تھے ؎

اصبر نکن بک صابرین فانما — صبر الرعیۃ بعد صبر الراس
خیر من القباس اجرک بعدہ — واللہ خیر منک للعباس

عزیزی حمزہ، اس کی والدہ، عزیزم محمد رابع، مولانا معین اللہ صاحب، مولوی سعید الرحمٰن صاحب اور دیگر اعزہ سے سلام مسنون کے بعد مضمون واحد۔

فقط والسلام
حضرت شیخ الحدیث صاحب
بقلم حبیب اللہ
۱۷ فروری ۸۳ء
مدینہ منورہ


بمبئی میں
خالص گھی اور میوہ جات سے بھرپور
مٹھائیاں اور حلویات
عندہ ولدیہ
سلیمانی افلاطون
اس کے علاوہ خصوصی پیشکش
ڈرائی فروٹ برفی
بلک کیک * قلاقند * ملائی - برفی * کوکو ملائی برفی
ہر قسم کے تازہ وخستہ
بسکٹ
اور
نان خطائیاں
خریدنے کا قابل اعتماد مرکز
سلیمان عثمان مٹھائی والے
مینارہ مسجد کے نیچے، بمبئی
فون 320059
ہیڈ کوارٹر — ۳۳ - محمد علی روڈ بمبئی - ۳




ڈاکٹر عبد اللہ عباس ندوی

# مولانا محمد ثانی حسنیؒ — نقوش وتأثرات

مجھ سے اگر کوئی یہ پوچھے کہ اللہ کی اس وسیع دنیا میں میں نے کیا دیکھا جو قابل ذکر ہو اور جو دیرے لئے فخر ہو، تو یہ کہوں گا کہ چند ایسے افراد دیکھے ہیں جو اس دنیا میں آخرت کے لئے جیتے ہیں جن کو دیکھ کر دل شہادت دیتا ہے کہ یہ اللہ کے بندے دنیا میں رہتے بستے ہوئے بھی دنیا والوں سے الگ تھلگ ہیں، یہ لوگ حقیقی معنوں میں دنیا کو "مزرعۃ الآخرۃ" اور ایک رہ گذر سمجھتے ہیں، درجات کی تقسیم تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ ہے، کون کس درجہ کا ہے یہ بتانا انسان کا کام نہیں، اور وہ بھی میرے جیسا انسان جس کو خود اپنی پستی کا درجہ نہیں معلوم کہ عصیاں وگمرہی کے قعر میں کہاں تک دھنس چکا ہے اور پہونچنے والوں اور تقرب الی اللہ کی اعلیٰ منزلوں میں پرواز کرنے والوں کی بلندیوں کی پیمائش کہاں کرسکتا ہے لیکن زمین پر رینگنے والا کیڑا اگر آسمان پر اڑنے والے پرند کے بارے میں یہ شہادت دے کہ یہ ہمارے وسعت ادراک سے بلند ہے تو اس میں کوئی ادعا کی بات نہیں ہوگی۔

مولانا محمد ثانی حسنی اسی طرح کے چند انسانوں میں شمار ہوتے تھے جن کو دیکھ کر دل بے ساختہ شہادت دیتا کہ یہ اللہ کا بندہ آخرت کی مخلوق ہے، جس کو نمونہ کی تلاش ہو وہ ان کو دیکھ لے یہ سچ ہے کہ ہیرے کو پہچاننا ہر ایک کا کام نہیں، اس کے لئے جوہری کی نگاہ یا شاہ کا تجربہ چاہئے۔ مگر کنکر پتھر کے ڈھیر میں کوئی چمکدار شیشہ نظر آجائے تو ایک فقیرہ گزر بھی کہہ اٹھے گا کہ یہ شیشہ ان کنکروں اور پتھر کے ٹکڑوں سے ممتاز ہے قیمت تو جوہری لگائیں گے مگر اس کے عام ریت سے الگ ہونے اور ہزاروں بلکہ لاکھوں کے ڈھیر میں نمایاں ہونے کی شہادت تو ہر عامی دے سکتا ہے۔

مولانا محمد ثانی کو آج سے ۴۲ سال پہلے دار العلوم کے درجہ پنجم میں ایک نو عمر طالب علم کی حیثیت سے دیکھا، اس وقت ہم دونوں منیرہ آغاز تھے، اساتذہ میں مخدوم ومربی حضرت مولانا سید ابو الحسن علی مدظلہ کے یہاں ہم لوگوں کے دو گھنٹے تھے، ایک قرآن مجید ترجمہ وتفسیر کا دوسرا مختارات کا، مختارات اس وقت "تعلی" شکل میں تھی[1] اس کی عبارت خوانی کوئی آسان کام نہ تھا، وہ بھی ان طلبہ کے لئے جنھوں نے ندوہ کے نصاب کے مطابق عربی ادب کی تعلیم نہیں حاصل کی تھی، میرا شمار بھی انہی طلبہ میں تھا جو ادب میں بالکل کورے آئے تھے، اس لئے اسکی عبارت خوانی اکثر انہی مولانا محمد ثانی کے ذمے میں آتی، ایک نئے طالب علم کی حیثیت سے میرے لئے دار العلوم کا ماحول بالکل نیا تھا، نئے لوگ، نئے انداز، نئی شرارتیں، نئی قسم کی باتیں، ادھر استاذ درجے سے نکلے ادھر لڑکوں نے درجہ سر پر اٹھالیا، کوئی بحث کررہا ہے، کوئی کسی کا مذاق اڑا رہا ہے، کوئی کسی سے کچھ چھین جھپٹ رہا ہے، کوئی کھل کھلا کر ہنس رہا ہے، کوئی مزے سے کنارے کھڑا ہے، کوئی کسی کو آنکھ دکھا رہا ہے، کوئی کسی سے میل ملاپ کی باتیں کررہا ہے۔ اس پورے "ہڑبونگ" میں ایک لڑکا گول مٹول بدن کا، سادہ اجلے کپڑے پہنے، ایک کونے میں سر جھکائے بیٹھا رہتا، سب سے الگ تھلگ، سب سے جدا اور درس میں سب کا شریک۔ لوگ ہنگامے اور شور وشغب اور اٹھکیلیوں میں مصروف مگر اس کی نظر کتاب پر جمی ہوئی گویا نہ تو وہ آنکھ سے کچھ دیکھ رہا ہے نہ کان سے سن رہا ہے نیا ذوق پیدا کیا تھا کہ وہ دوسری مثالوں سے حدیث نبوی کی عظمت بتاتے جس سے معلوم ہوتا کہ عام انسانی کلام سے پیغمبر کا کلام کس درجہ ممتاز ہے، اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت بڑھتی، اور حدیث کا دل میں عزت بڑھتی۔ موجودہ درس ہم ندوی طلبہ کے لئے نیا تجربہ تھا، یہاں فرق باللہ خالص طور پر مرجئہ کے عقائد کا ابطال ہوتا فقہی مسائل میں مذہب حنفی کی ترجیح پر زور صرف ہوتا، اللہ تعالیٰ حضرت مولانا ابرار الحق رحمۃ اللہ علیہ کے درجات بلند فرمائے بہت با اخلاق، صابر اور حلیم بزرگ تھے طلبہ کے بے جا اعتراضات اور بعض منہ پھٹ طالب علموں کے جارحانہ قسم کے اعتراضات کو بھی سن کر بڑے صبر وسنجیدگی سے جواب دیتے، اس درس میں صرف ایک طالب علم ایسا تھا جو استاذ حدیث کے پورے درس میں انتہائی سنجیدگی، متانت اور سعادت مندی کے ساتھ بیٹھا رہتا اور انکے ارشادات کو نوٹ کرتا، وہ محمد ثانی تھے۔ رحمۃ اللہ علیہما۔

مولانا محمد ثانی "میرے اس پانچ سالہ دور طالب علمی کے زمانے میں زیادہ تر سہارن پور رہے، اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مدظلہ کی خدمت وصحبت میں رہے، نوعمری اور آغاز شباب کا پورا زمانہ انھوں نے یا تو حضرت شیخ الحدیث کی صحبت وخدمت میں گزارا، یا پھر اپنے خال معظم حضرت مولانا ڈاکٹر سید عبد العلی صاحب رحمۃ اللہ علیہ، اور اپنے "ماموں جی" حضرت مخدوم ومربی مولانا سید ابو الحسن علی مدظلہم کے زیر تربیت مطالعہ میں صرف کیا، بے چارے کی آنکھیں کمزور ہوگئی تھیں نوعمری ہی میں موٹے شیشے کی عینک لگانی پڑی، عام صحت بظاہر تو اچھی تھی مگر معلوم ہوتا ہے کہ جسم کا ڈھانچہ مضبوط نہیں تھا، وقت سے پہلے بال سفید ہوگئے تھے اور اپنی عمر سے زیادہ کے معلوم ہوتے تھے۔

تعلیم کے بعد ہم دونوں عرصے تک بے تعلق رہے، میں اپنی زیست ومعیشت

[1] یہی وہ 'مختارات' ہے جو اب عرب ممالک میں ہاتھوں ہاتھ لی جارہی ہے۔ گزشتہ سال ۲۵ ہزار نسخے سعودی وزارت تعلیم نے دار الشرق سے چھپوائی۔ کئی جگہ نصاب ومطالعہ میں داخل ہے، اور یہی وہ کتاب ہے جو "ادب میں اسلامی عنصر" کو سامنے لانے کی پہلی کاوش تھی، جس فکر کی ترقی یافتہ شکل وہ سیمینار تھا جو گزشتہ سال (۱۹۸۱ء) ندوہ میں منعقد ہوا اور جس فکر کو علمائے عرب وعجم نے اکثر خراج تحسین وعقیدت پیش کیا۔

کے لئے ٹھوکریں کھاتا پھرا۔ وہ صبر وشکر کے ساتھ لکھنؤ، رائے بریلی اور سہارن پور آتے جاتے رہے، غالباً ۱۹۴۶ء کے آخر میں وہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ اور اعزاء خاندان کے ساتھ حج کے لئے گئے جس سفر حج کی روداد "مختصر" اپنے گھر سے بیت اللہ تک" و "اے مضمون میں ہے جو "آپ حج کیسے کریں" مؤلفہ حضرت مولانا محمد منظور نعمانی میں درج ہے، مولانا محمد ثانی نے بھی اس سفر کی مفصل روداد بلکہ روزنامچہ لکھا تھا[1] اس سفر کے دوران مدینہ منورہ میں ایک بزرگ نے جو حضرت مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمہ کے خلیفہ مجاز تھے۔ انھوں نے مولانا محمد ثانی کے جوہر قابل کو پہچان کر خلافت بخش دی تھی۔

اس سفر کے بعد غالباً "مکتبہ اسلام" کی بنیاد پڑی، مگر بنیاد ہی پڑی تھی "ماذا خسی العالم بانحطاط المسلمین" کا اردو ترجمہ "مسلمانوں کے عروج وزوال سے دنیا کو کیا نقصان پہونچا" ــــ اور ریاض الصالحین کا اردو ترجمہ جو مرحوم کی خالہ صاحبہ سیدہ امۃ اللہ نسیم رحمۃ اللہ علیہا نے کیا تھا اس مکتبہ کا سرمایہ تھا، تجارت ان کے بس کا روگ نہ تھا، اور نہ اس کے لئے پیدا کئے گئے تھے۔ ان کی تجارت کا حال ایک واقعہ سے معلوم ہوگا جس کے راوی بفضل خدا زندہ سلامت ہیں یعنی حکیم شرافت حسین صاحب رحیم آبادی، انھوں نے ایک مکتبہ "دین ودانش قائم کیا، اور "کامل کیلانی" کے طرز پر چند رسالے، اللہ کے رسول اور خلفائے راشدین کی سیرت پر لکھیں۔ ان کا بیان ہے:

"میں نے ابتدا میں چند ایسے اداروں سے بات چیت کی جو دینی کتابوں کی اشاعت وفروخت سے دلچسپی رکھتے تھے، ان سے تعاون طلب کیا، کچھ پتے معلوم کرنا چاہا تاکہ اپنی کتابوں کا اشتہار اُن پتوں پر بھیجیں۔ بعضوں نے ٹال دیا اور یہ جواب دیا کہ اپنی کتابیں ہمارے مکتبہ میں رکھ دیجئے جو کتابیں فروخت ہوں اس کی قیمت کمیشن حذف کرکے آپ کو دیدی جائے گی مگر جب یہی بات (تعاون طلب کرنے کی) مولوی ثانی صاحب سے کی تو انھوں نے اپنے پتوں کا پورا رجسٹر میرے حوالہ کردیا، بعد میں ایک صاحب الرائے اور تجربہ کار دوست نے ان کو سوجھایا کہ میاں آپ تجارت کرنے بیٹھے ہیں یا وظیفہ پڑھنے ہیں؟ بھلا کوئی اپنے خریداروں کے پتے کسی کو دیتا ہے، یہی تو ایک تاجر کا سرمایہ ہوتا ہے، مولانا محمد ثانی کا جواب یہ تھا کہ حکیم صاحب بھی تو دینی کتابیں چھاپتے ہیں، کوئی مخرب اخلاق لٹریچر تو شائع نہیں کرتے کہ ان سے کوئی خوف ہو۔"

یہ واقعہ اس لئے نقل کیا کہ اس سے اس مزاج اور طرز فکر کا اندازہ ہوتا ہے جو ان کا خاندانی مزاج تھا اور اس تربیت کا اثر تھا جو ان کے وقت کے تین کامل ترین مربیوں نے انھیں عطا کیا تھا، نرم اور زرخیز مٹی پر موزوں اور مناسب بارش ہوئی اور دل کی دنیا لالہ زار بن گئی۔

مولانا محمد ثانی نے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مدظلہ، کی فرمائش پر شیخ التبلیغ حضرت مولانا محمد یوسفؒ کی ۹۰۰ صفحات پر مشتمل سوانح تحریر فرمائی، حضرت شیخ ہی کے ایما پر مولوی محمد ہارون مرحوم (خلف حضرت مولانا محمد یوسفؒ) کی سوانح لکھی اور آخر میں حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوریؒ کی سوانح لکھی، بزرگوں کی سوانح نگاری کا ذوق ان کو اپنے خال نامدار حضرت مولانا سید ابوالحسن علی الحسنی مدظلہ سے ملا اور حضرت شیخ الحدیث کی دعا وتوجہات سے اس میں جلا ہوئی۔

مولانا محمد ثانیؒ نے مسلم خواتین کے لئے ایک مختصر جم کا رسالہ "رضوان" نکالا جو اب تک نکل رہا ہے، اس کی ادارت (یا رئاسۃ التحریر) ان کی خالہ صاحبہ مرحومہ سیدہ امۃ اللہ تسنیم کے نام منسوب تھی، علم وانابت الی اللہ، مناجات ودعا کے ماحول میں پرورش پائے ہوئے نفوس پاک کے نام وقلم سے جو چیز نکلتی رہی اس کی شان ہی نرالی ہے، مگر وہ دنیا کے بازار کی چیز نہیں ہے، اس میں تاجرانہ شان کا دور دور پتہ نہیں ہوتا۔

مولانا محمد ثانیؒ کی طبیعت موزوں تھی، دیکھنے میں اتنے سادہ بے رنگ وکیف معلوم ہوتے تھے مگر اندر سے دل ودماغ سرسبز وشاداب تھا، مناجات، نعت، ان کا مرکزی مضمون تھا، عالم اسلام پر ان کی گہری نظر تھی، اسلامی غیرت سے ان کے وجود کا خمیر ہی اٹھا تھا، اگر سن لیا کہ ترکی حکومت نے "ایاصوفیا" مسجد کو پھر مسلمانوں کے حوالے کردیا تو ترکی سے ہزاروں میل ایک گاؤں میں بیٹھے مولانا محمد ثانی کی روح جھوم اٹھی اُس پر ایک نظم لکھ دی اور شاعری بھی فقیہانہ یا تک بندی والی نہیں بلکہ اس میں روانی اور جوش ہوتا، ترکیبیں چست، بندش مضبوط اور الفاظ تولے اور ناپے ہوئے ہوتے، ندوہ کا ترانہ انھوں نے لکھا جو ادارہ سے ان کی محبت اور تمناؤں کا ترجمان ہے۔ دوسری طرف شاعرانہ نقادانہ نظر سے دیکھئے تو اس میں جوش سے روانی ہے، اور محبت کی سادگی اور البیلاپن ہے۔

مولانا محمد ثانی اس ترانہ کے بعد تو مدارس اسلامیہ کے "ترانہ نگار" بن گئے کتنے مدرسوں کے ترانے لکھ ڈالے، اپنے "تکیہ" سے قریبی ایک گاؤں میں ایک مدرسہ کے سرپرست وناظم بھی تھے، اور صرف نام کے نہیں بلکہ دلچسپی کے ساتھ اس کی ترقی کے لئے ذہن اور وقت صرف کرتے۔

ادھر چند برسوں سے مستقلاً "تکیہ" پر ان کا قیام رہا، کسی ضرورت سے لکھنؤ آجاتے یا اگر حضرت شیخ الحدیث تشریف فرما ہوتے تو سہارنپور جاتے۔ حضرت شیخ الحدیث نے انھیں اپنی خلافت بھی عطا فرمائی اور اپنے خاندان کے عزیزوں کی طرح ان کا خیال رکھتے تھے "تکیہ" پر حضرت مولانا کی موجودگی کے زمانے میں خلق کا مرجع عہ رہتا ہے، روزانہ دس بیس مہمان آتے جاتے رہتے ہیں، ان کی خدمت اور راحت رسانی میں ان کو ہمیشہ سرگرم پاتا، روحانی حیثیت اور تعلق باللہ میں یہ حضرت مولانا کے ثانی تھے، لیکن حاشا وکلا کہیں دور دور سے بھی "بزرگانہ انداز" یا "معاجزہ گی" کی شان نہیں معلوم ہوتی تھی، نہ کبھی بھی نصائح کا دفتر کھول کر بیٹھتے، نہ کبھی ملت کے حال زار پر "آہ کراہ" کی نمائش کرتے، وہی کم آمیزی جو شروع سے ان کا جوہر خاص تھا ہمیشہ یکساں باقی رہی، کسی پر طنز و تعریض، کسی بدگو معاند پر تنقید خود تو کیا کرتے کسی ایسی مجلس میں بیٹھتے بھی نہیں جہاں گفتگو کا رُخ اس طرف جارہا ہو، یہ ایک ایسا وصف ہے جس کی شہادت یہ عاجز پورے احساس ذمہ داری کے ساتھ دے سکتا ہے، میں نے ان کی نوعمری کا زمانہ بھی دیکھا اور جوانی وکہولت کا زمانہ بھی، کسی سخت سے سخت موقع پر بھی برہم ہوتے نہیں دیکھا معلوم ہوتا ہے کہ غیظ وغضب کی انسانی خصوصیت کا مادہ ان کے اندر تھا مگر صرف کفر وشرک اور دشمنانِ اسلام کے لئے، اسلام سے نسبت رکھنے والوں یا اپنی ذات اور اپنے بزرگوں تک پر نارواحملہ کرنے والوں کی برائی سے ان کی زبان پاک تھی اور بُرائی سننے سے انکے کان بھی محفوظ تھے۔

مولانا محمد ثانی ان لوگوں میں تھے جن کو دیکھ کر ہمت بڑھتی تھی اور عالم اسلام کی زبوں حالی، مسلمانوں کی عام پستی اور اخلاقی گراوٹ دیکھ کر جو احساس نامرادی، دل شکستگی پیدا ہوتی وہ چند لمحوں کے لئے ختم ہوجاتی اور یہ احساس ہوتا کہ اللہ تعالیٰ جب تک ایسے لوگوں کو پیدا کررہا ہے وہ اپنی دنیا کو اسلام کی نعمت سے محروم نہیں رکھے گا۔

مولانا محمد ثانی مرحوم کے جوہر قابل کو تاڑنے والے بہت سے اللہ کے بندے تھے، ایک بزرگ جن کا ذکر اوپر کیا گیا جنھوں نے مدینہ منورہ میں ان کو خلافت بخش دی تھی دوسرے مولانا صوفی عبدالرب صاحب تھے جنھوں نے اپنے اس تعزیتی خط میں جو انھوں نے مرحوم کی نانی صاحبہ (والدہ حضرت مولانا) کی وفات پر لکھا تھا اس میں ضمناً تحریر فرمایا کہ اب بھی اس خاندان میں صاحب دعا موجود ہیں جیسے مولانا محمد ثانی۔ یہ شہادت بہت وقیع ہے کہ صوفی صاحب مرحوم اہل نظر لوگوں میں تھے۔

(بقیہ صہ ۹ پر)

[1] یہ روزنامچہ اب بھی شائع کردیا جائے تو بڑے کام کی چیز ہوگی۔ اس ۳۵-۳۶ سال کے عرصہ میں حجاز، مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی زندگی میں کافی فرق آگیا ہے، اس روزنامچہ کو پڑھ کر ایسا محسوس ہوگا گویا ایک دو صدی پہلے کے مکہ مدینہ کا حال پڑھ رہے ہیں۔



# آہ! مولانا محمد ثانی حسنی مرحوم

ڈاکٹر مولانا تقی الدین ندوی، وزارت عدل ابوظبی

۱۷ر فروری کی شام کو ابوظبی سے مدینہ منورہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدفیوضہم کی صحت کا حال معلوم کرنے کے لئے ٹیلیفون کیا وہاں سے حضرت کے خادم نے بتایا کہ آج ہی لکھنؤ سے جناب مولانا محمد ثانی صاحب کے سانحۂ ارتحال کا تار آیا ہے جس کا حضرت اور ان کے خدام پر بہت ہی اثر ہے اچانک یہ خبر سُن کر بہت ہی رنج وقلق ہوا اور ایصال ثواب کا خود بھی اہتمام کیا اور دوسروں کو بھی تاکید کی۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ حادثہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اور ان کے خاندان کے لئے بہت ہی سنگین اور صبر آزما ہے اور حقیقت یہ ہے کہ مولانا محمد میاں مرحوم کے حادثہ کے بعد اس پر صبر اور برداشت کرنے کے لئے غیر معمولی عزیمت اور ہمت کا کام ہے اور خاصان خدا کے سوا عام انسانوں کے لئے اس طرح کے حادثہ کا برداشت کرنا آسان نہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا اور ان کے پورے گھرانہ کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرماکر مرحوم کی مغفرت فرمائے اور جنت کے اونچے مقام پر سرفراز فرمائے ؎

آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

مولانا محمد ثانی صاحب کو اللہ تعالیٰ نے بہت سی خصوصیات اور کمالات سے سرفراز فرمایا تھا، ان کے اخلاق عالیہ، کم گوئی، انقطاع وتبتل اور متوکلانہ زندگی ہر وقت استحضار کی کیفیت روضۂ پاک اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور ان سے گہری محبت جو انھیں اپنے خاندانی ورثہ اور اپنے شیخ کی صحبت وتوجہ کی برکت سے حاصل ہوئی تھیں یہ ساری چیزیں ان کے لئے سرمایۂ آخرت ہیں، وہ حضرت شیخ الحدیث کے شاگرد خاص اور مجاز بھی تھے، حضرت کی محبت اور عقیدت میں سرشار رہتے تھے، انکے اشعار وقصائد جو مختلف مناسبت سے انھوں نے کہے ہیں وہ اس کی آئینہ دار ہیں، انھوں نے عرصہ ہوا رمضان مبارک کی آمد پر ایک قصیدہ کہا تھا اور یہ قصیدہ سہارنپور میں اعتکاف کی حالت میں حضرت کی مجلس میں جب سنایا گیا تو یہ ناچیز بھی وہاں موجود تھا پوری مجلس پر آہ وبکا کا عالم طاری تھا ؎

الٰہی درد وغم کی سرزمیں کا حال کیا ہوتا
محبت گر ہماری چشم تر سے نیم تر ہوتی

اسی طرح انھوں نے جو قصیدہ اپنے ارتحال سے قبل حضرت شیخ الحدیث پر کہا وہ بھی دہلی کی ایک مجلس میں مولانا اظہار صاحب نے جب پڑھا تو سامعین کی حالت دگرگوں ہورہی تھی اور اس قصیدہ سے حضرت مولانا محترم" کا اپنے شیخ سے محبت وشیفتگی اور والہانہ محبت وعقیدت کا اندازہ ہوتا ہے۔

اس ناچیز کے سہارنپور کے قیام کے زمانہ میں بھی اور اس کے بعد مختلف مواقع پر اور رمضان المبارک میں مولانا ثانی صاحب کی سہارنپور کی حاضری کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے وہ جس محبت وعقیدت سے وہاں وہ حاضر ہوتے وہ منظر بھی عجیب رہتا ہے ؎

محبت تجھ کو آداب محبت خود سکھا دیگی
کبھی کبھی مجلس میں آکر وہ بیٹھے اور آنکھیں اشک بار ہوجاتی تھیں اور ان کی زبان سے بے اختیار ذکر بالجہر کے کلمات بھی جاری ہوجاتے۔

حضرت شیخ کو بھی ان کی عالی نسبی اور باطنی خصوصیات کی بنا پر شفقت عنایت کی نظر تھی اور ان کے ذاتی اور نجی معاملات سے حضرت کو دلچسپی تھی اور اسی محبت اور مناسبت کی بنا پر اس پر سپرد سوانح یوسفی کی ترتیب وتالیف بھی کیا، حقیقت یہ ہے یہ بڑا اہم اور نازک ودشوار کام تھا۔ اس لئے نہیں کہ سیرت یوسفی کی تالیف وترتیب کا کام انجام دینا تھا بلکہ اس لئے کہ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب اور ان کی خاندانی خصوصیات وروایات کو اس اسلوب اور اس طرز میں پیش کرنا تھا جس سے قاری کے سامنے اس کی صحیح تصویر آجائے اور اس لئے مولانا جس دعوت کے حامل وداعی تھے وہ دعوت اور ان کا مشن اور اس کا صحیح تعارف پوری طرح سے کتاب کے اندر بلا ادنیٰ مبالغہ کے آجائے مولانا محمد ثانی صاحب نے اس سیرت کو تاریخی دستاویز بنادیا بلکہ اس میں مبالغہ نہ ہوگا کہ وہ تبلیغی کام کرنے والوں کے لئے اور دوسرے لوگ جو اس دعوت کو سمجھنا چاہتے ہیں ان کے لئے انسائیکلوپیڈیا بنادیا یہ ضخیم وعظیم کتاب کو اپنے شیخ کا حکم سمجھ کر انھوں نے اپنے بصارت کے ضعف اور صحت کی کمزوری کے باوجود رات دن ان کا یہی محبوب مشغلہ بن گئی۔ انھوں نے کتاب کے شروع میں مولانا علی میاں کے مشورہ سے شیخ الحدیث کے حالات کا بھی اضافہ کردیا، جو سوانح یوسفی کی تکمیل کے لئے ناگزیر اور ضروری تھا، جس کو حضرت کے سامنے سنایا گیا حضرت نے بھی تصویب فرمائی، کئی مرتبہ مجلس میں مزہ لے لے کر فرماتے رہے اور خاص طور پر مولانا ثانی صاحب کی سہارنپور حاضری پر کہ مولوی صاحب کہاں تم نے ریشم میں ٹاٹ لگایا اس وقت کا جو عجیب منظر ہوتا اس کو تحریر میں لانا مشکل ہے ؎

پھر پرسشِ جراحتِ دل کو چلا ہے عشق
سامان صد ہزار نمکداں کئے ہوئے

اس سیرت کی تکمیل کے بعد مولانا ہارون مرحوم کی سیرت بھی تحریر فرمائی۔ اس کے بعد حضرت شیخ کے حکم وایما پر سوانح مولانا خلیل احمد مرتب کیا گرچہ اس موضوع پر تذکرۃ الخلیل مولانا عاشق الٰہی کی کتاب بہت اہم اور جامع ہے مگر ضرورت تھی کہ اس کتاب کو از سر نو مرتب کیا جائے بہت سی ایسی باتیں جو اس میں آنے سے رہ گئی تھیں ان کا اضافہ ضروری تھا اس کے ساتھ ساتھ یہ کہ یہ کتاب ایک نئے اسلوب وطرز بیان میں آجائے تاکہ موجودہ اردو داں طبقہ کے لئے دل آویز اور پرکشش بن سکے اس کی ذمہ داری بھی حضرت شیخ نے انھیں کے سپرد کی اور انھوں نے اس کام کو اسی جانفشانی اور تندہی اور دلچسپی سے انجام دیا جس کا وہ متقاضی تھا اُن کی بڑی خواہش تھی اور حضرت کے سامنے بھی اس کا ذکر آیا کرتا چیز ایک مقالہ بذل المجہود اور اس کی خصوصیات پر لکھ دے تاکہ اس کتاب میں شامل کردیا جائے گرچہ میرے لئے یہ بہت آسان بات تھی مگر اپنی تساہلی کی وجہ سے کرنہ سکا جس کا افسوس ہے۔

بہرحال اللہ تعالیٰ نے ان کو گوناگوں خصوصیات کا مالک بنایا تھا اور بالکل وہ اس شعر کے مصداق تھے ؎

رہیں دنیا میں اور دنیا سے بالکل بے تعلق ہوں
پھریں دریا میں اور ہرگز نہ کپڑوں میں لگے پانی

یہ چند باتیں جو برجستہ نوک قلم پر آگئی ہیں ورنہ ان کی یادوں کے ساتھ ایک لمبی تاریخ ہے اور بعض ایسے خطوط بھی ناچیز کے پاس موجود ہیں جو انھوں نے بعض استفسارات کے سلسلہ میں حضرت شیخ سے مجھ کو تحریر فرمائے تلاش کرنے پر وہ خطوط بھیج دوں گا،

ان کلمات کے ساتھ اپنے دلی تعلق کا اظہار کرتا ہوں اور عزیزی مولوی سید حمزہ ندوی سلمہٗ اور ان کے پورے گھرانہ کو تعزیت پیش کرتا ہوں اللہ تعالیٰ ان کی نیک تمناؤں کے مطابق اللہ تعالیٰ انھیں علم کی دولت سے سرفراز فرماکر اپنے دین کا کوئی عظیم کام لے گا۔

## بقیہ ص ۲

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں اعتکاف فرماتے تھے، تاحین حیات آپ کا یہ معمول رہا آپ کے بعد ازواج مطہرات نے بھی اعتکاف فرمایا۔

(متفق علیہ)

# دار المصنفین (شبلی اکیڈمی) کے مذاکرۂ علمی میں مشاہیر اسلام کی شرکت

## مستشرقین اور مستغربین کے بارے میں اظہار خیال

۲۱ تا ۲۳ر فروری دار المصنفین اعظم گڑھ میں اسلام اور مستشرقین کے موضوع پر مجلس مذاکرہ منعقد ہوئی۔ اسی موضوع پر یہ پہلی مجلس مذاکرہ تھی جو دار المصنفین کی دعوت پر بلائی گئی تھی۔ دعوت نامہ میں دار المصنفین کی مجلس منتظمہ کی طرف سے ناظم دار المصنفین سید صباح الدین عبد الرحمٰن صاحب نے مذکورہ بالا موضوع پر دار المصنفین کا جو کام رہا ہے اور علامہ شبلی نعمانی اور علامہ سید سلیمان ندوی اور ان کے رفقاء نے جو علمی کاوشیں کی ہیں اور ان کا حوالہ دیتے ہوئے اس موضوع ایک مجلس مذاکرہ منعقد کئے جانے کی ضرورت ظاہر کی تھی اور اس کے لئے ملک و بیرون ملک کے ممتاز ترین اہل فکر و قلم کو دعوت دی تھی۔ چنانچہ اندرون و بیرون ملک سے مندوبین کی ایک بڑی تعداد میں آئے، اور اپنے مقالات نیز زبانی بحث و تمحیص سے مذاکرہ کو کامیاب بنانے میں مدد کی۔

اندرون ملک سے یونیورسٹیوں کے اسلامی و مشرقی شعبوں کے اساتذہ اور ذمہ داروں نے شرکت کی جن میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے موجودہ وائس چانسلر سید حامد صاحب اور سابق وائس چانسلر پروفیسر خلیق نظامی صاحب قابل ذکر ہیں۔ عربی و اسلامی اداروں اور جامعات کے اہل علم و فکر بھی شریک ہوئے جن میں خاص طور پر مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی، مولانا سید احمد اکبر آبادی، قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی، مولانا ابو اللیث صاحب اصلاحی ندوی، مولانا معین اللہ صاحب ندوی اور ندوہ کے متعدد اساتذہ ہیں۔ مولانا سید ابو الحسن علی صاحب ندوی مجلس استقبالیہ کے صدر تھے اس لئے وہ میزبان اور مندوب دونوں حیثیت کے مالک تھے۔

بیرونی ممالک سے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ، ام القریٰ یونیورسٹی مکہ مکرمہ، ابوظبی یونیورسٹی اور قطر یونیورسٹی کے شعبۂ اسلامیات کے پروفیسروں نے شرکت کی۔ پاکستان سے مندوبین تشریف لائے جن میں ہمدرد کے اسلامی فاؤنڈیشن کے صدر حکیم محمد سعید صاحب، اور ادارۂ تحقیقات اسلامی پاکستان کے صدر جناب ڈاکٹر ظہالی پوتہ مع اپنے متعدد رفقاء کے، نیز اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد کے بعض پروفیسروں نے بھی شرکت کی۔ پاکستان سے آنے والوں میں مولانا عبد القدوس ہاشمی ندوی، مولانا مفتی سیاح الدین صاحب کاکاخیل، اردو انسائیکلوپیڈیا کے مدیر جناب شیخ نذیر حسین ادارۂ تحقیقات اسلامی کے ناظم جناب شرف الدین اصلاحی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ شرکاء میں جنوبی افریقہ سے ڈربن یونیورسٹی میں اسلامیات کے پروفیسر علامہ سید سلیمان ندویؒ کے فرزند ڈاکٹر سید سلمان ندوی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ جاپان کے انجمن اسلامیات کے نمائندہ اور رکن شوریٰ عالمی مساجد جاپان، مکہ جناب عبد الکریم صاحب ساتو بھی قابل ذکر ہیں۔ مکہ مکرمہ سے ڈاکٹر عبد الصبور مرزوق قطر یونیورسٹی سے علامہ یوسف القرضاوی مجلس مذاکرہ کے اہم ترین شرکاء میں تھے۔

مجلس مذاکرہ کے افتتاحی و اختتامی اجلاس کی صدارت ڈاکٹر علامہ یوسف القرضاوی صدر شعبہ اسلامیات قطر یونیورسٹی نے کی، دیگر اجلاسوں کی صدارت مختلف فضلاء نے کی۔ جن میں ہندوستان سے مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی اور جناب سید حامد صاحب کے نام قابل ذکر ہیں۔

مجلس مذاکرہ میں ۴۰ سے زیادہ مقالات پیش کئے گئے جن میں مختلف مستشرقین کی تصنیفات اور خیالات کا جائزہ لیا گیا۔ اور ان پہلوؤں کی وضاحت کی گئی جن میں مستشرقین نے علمی غلطیاں کی ہیں یا اسلام سے اپنے معاندانہ رویہ کا ثبوت دیا ہے۔

مستشرقین کی محنت اور ان کے خالص علمی کام کو سراہا گیا، اور عام طور پر اس خیال کا اظہار بھی کیا گیا کہ اس سلسلہ میں ہماری ذمہ داری کم نہیں ہے کیونکہ ہم نے علم کے بعض میدانوں کی طرف بے توجہی کی، اس کی وجہ سے پیدا ہونے والے خلاء کو مستشرقین نے غنیمت جانا اور اس کو اپنے مقاصد اور ذوق و رجحان کے مطابق پُر کرنے کی کوشش کی۔

مجلس مذاکرہ نے اپنے اختتامی اجلاس میں متعدد سفارشات منظور کیں۔ ان میں اہم سفارشات حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ مستشرقین کے کاموں کا جائزہ لینے اور کمزور مقامات کو نمایاں کرنے کی ضرورت پر زور دیا گیا تاکہ ان کے ضرر سے محفوظ رکھا جا سکے۔

۲۔ ایسی کتابوں کے تیار کرنے کی طرف توجہ دلائی گئی جو اس ضرورت کو پورا کر سکیں جو مستشرقین کی کتابوں سے پوری کی جاتی ہیں۔

۳۔ اسکول کی سطح سے لے کر یونیورسٹی کی سطح تک طلباء کی ثقافتی و فکری ضرورت کے لئے کتابیں تیار کرنے کی طرف توجہ دلائی گئی۔

۴۔ دار المصنفین نے اسلامی تاریخ و ثقافت پر جو عظیم علمی سرمایہ تیار ہے دیگر زبانوں میں خصوصاً عربی انگریزی میں اس کے ترجمہ کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے اس کام کو انجام دینے کی سفارش کی گئی۔

۵۔ اسلام و مستشرقین کی مجلس مذاکرہ کے سلسلہ میں کام کے جو تقاضے سامنے آتے ہیں ان کے سلسلہ میں دار المصنفین میں ہی ایک رابطہ دفتر قائم کرنے کی تجویز منظور کی گئی۔ اس دفتر کے ذمہ دار ناظم دار المصنفین جناب سید صباح الدین عبد الرحمٰن صاحب منتخب کئے گئے، اہم امور میں مشورہ کے لئے علمی و اسلامی تعلیم گاہوں، یونیورسٹیوں اور اداروں چند منتخب افراد اور ممتاز اہل علم کے نام طے کئے گئے۔ ان ناموں میں ہندوستان سے مولانا سید ابو الحسن علی ندوی، مولانا سید احمد اکبر آبادی اور پروفیسر ضیاء الحسن فاروقی اور دیگر ملکوں سے اسلامی یونیورسٹی مدینہ اسلامی یونیورسٹی ریاض مکہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر اور دیگر یونیورسٹیوں اور علمی اداروں کے بعض پروفیسر شامل تھے۔

۶۔ یہ بھی طے کیا گیا کہ اس موضوع پر کام کا جائزہ لیتے رہنے کے لئے ہر دو سال پر ایک مجلس مذاکرہ منعقد کی جایا کرے، اس سلسلہ میں قطر یونیورسٹی کے شعبہ اسلامیات کے صدر نے اگلی مجلس مذاکرہ منعقد کرانے کی پیش کش کی جس کو مجلس مذاکرہ نے پسند کیا اور سراہا۔

دار المصنفین کی اس مجلس مذاکرہ کو شرکاء نے بہت پسند کیا اور اس کی کامیابی و افادیت کے ساتھ انجام پانے پر خوشی کا اظہار کیا۔ دار العلوم ندوۃ العلماء کے تعاون کو بھی سراہا گیا۔ مجلس مذاکرہ کے کاموں میں تعاون کے لئے دار العلوم ندوۃ العلماء سے شعبہ ادب عربی و دیگر شعبوں کے اساتذہ و ذمہ دار اور ذی استعداد و باصلاحیت طلباء کی ایک تعداد اعظم گڑھ گئی تھی اور ان سب نے اپنے مفید تعاون سے مجلس مذاکرہ کو کامیاب بنانے میں نمایاں حصہ لیا تھا۔ عربی سے اردو، اردو سے عربی ترجمہ کی ذمہ داری انہی نے انجام دی۔

مجلس مذاکرہ کا افتتاحی اجلاس ۲۱ر فروری کو ۱۰ بجے دن میں شروع ہوا تھا جو ½۱ بجے دن تک جاری رہا۔ اس میں استقبالی و صدارتی خطبہ کے علاوہ متعدد مندوبین نے خطاب کیا۔ اس کے بعد سے ۲۳ر فروری کو ۱۲ بجے دن تک مقالات کے پانچ اجلاس ہوئے۔ دار المصنفین کی عمارت میں علمی نمائش کا بھی اہتمام کیا گیا تھا۔ جس کو مندوبین نے دیکھا اور دار المصنفین کے کام کو بہت سراہا۔ وزیر اعلیٰ یوپی کے نمائندہ کی حیثیت سے ڈاکٹر عمار رضوی وزیر حکومت یوپی بھی آئے، اور علمی نمائش کو دیکھا اس کا افتتاح بھی کیا۔

مجلس مذاکرہ کا اختتامی اجلاس ۲۳ر فروری کو دوپہر ۲ بجے دن میں مولانا سید ابو الحسن علی ندوی صاحب کی دعا پر ختم ہوا۔



# استقبالیہ

**اسلام اور مستشرقین کے موضوع پر دار المصنفین اعظم گڑھ میں ۲۱۔۲۳ر فروری کو منعقدہ مذاکرۂ علمی میں ناظم دار المصنفین سید صباح الدین عبد الرحمٰن کا استقبالیہ۔**

صدر محترم!

دار المصنفین کی طرف سے اس مذاکرہ کے عزیز مہمانوں کا دل کی گہرائیوں سے خیر مقدم ارباب علم و دانش کے اس شاندار اجتماع کو دیکھ کر جہاں ہمیں فخر ہو رہا ہے، وہاں ہمارے ایک دیرینہ خواب کی تعبیر اور ایک مدت کی آرزو آج پوری ہو رہی ہے۔ جن مقاصد کے تحت دار المصنفین کا قیام عمل میں آیا، ان میں ایک مقصد یہ بھی تھا کہ دین اسلام، سیرت نبوی اور اسلامی علوم و فنون کے متعلق جو تحقیقات ہوتی رہتی ہیں، اس کا جائزہ لیا جاتا رہے جہاں اور جو کام اچھا دکھائی دے اس کی داد دی جائے اور جہاں دانستہ اور غیر دانستہ طور پر کوئی غلطی نظر آئے اس کی نشان دہی خالص علمی اور تحقیقی رنگ میں کی جائے۔

جہاں تک مستشرقین کا تعلق ہے، ان سے متعلق ہمارے اس ادارے کے بانی علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ ہمارے لئے رہنما اصول بنا گئے ہیں اس موقع پر مختصر طریقے سے ان کے خیالات دہرانے کی اجازت چاہتا ہوں۔ وہ فرماتے ہیں۔

"مستشرقین تین قسموں میں منقسم کئے جا سکتے ہیں:۔

(۱) جو عربی زبان اور اصل ماخذوں سے واقف نہیں۔ ان لوگوں کا سرمایہ معلومات اوروں کی تصنیفات اور تراجم ہیں، ان کا کام صرف یہ ہے کہ مشتبہ اور نامکمل مواد کو قیاس اور میلانِ طبع کے قالب میں ڈھال کر دکھائیں۔

۲۔ بعض مستشرقین عربی زبان، علم و ادب، تاریخ و فلسفہ اسلام کے بہت بڑے ماہر ہیں لیکن مذہبی لٹریچر اور سیرت کے فن سے نا آشنا ہیں، وہ سیرت یا مذہب اسلام پر کوئی مستقل کتاب نہیں لکھتے لیکن ضمنی طور پر عربی دانی کے زعم میں اسلام یا شارع اسلام کے متعلق نہایت دلیری سے جو کچھ چاہتے ہیں لکھ جاتے ہیں مثلاً جرمن کا مشہور فاضل ساخو نے طبقات ابن سعد شائع کی تو اس کی وسعت معلومات اور عربی دانی سے کون انکار کر سکتا ہے لیکن جب وہ اسلامی امور کے متعلق باتیں لکھتا ہے تو پڑھ کر بھول جانا پڑتا ہے کہ یہ وہی محترم شخص ہے یا کوئی اور! نولدیکی نے قرآن مجید کا خاص مطالعہ کیا ہے، لیکن انسائیکلوپیڈیا میں قرآن پر اس کا جو آرٹیکل ہے، جا بجا نہ صرف اس کے تعصب بلکہ اس کی جہالت کے رازِ نہاں کی بھی پردہ دری کرتا ہے۔

۳۔ وہ مستشرقین جنھوں نے خاص اسلامی اور مذہبی لٹریچر کا کافی مطالعہ کیا ہے، مثلاً یامریا مارگولیتھ سے ہم امید کر سکتے تھے لیکن باوجود عربی دانی کثرت مطالعہ اور تفحص کتب کے ان کا یہ حال ہے کہ

دیکھتا سب کچھ ہوں لیکن سوجھتا کچھ بھی نہیں

مارگولیتھ نے مسند امام احمد بن حنبل کی چھ ضخیم جلدوں کا ایک ایک حرف پڑھا ہے اور کسی مسلمان کو بھی اس وصف میں اس کی ہمسری کا دعویٰ نہیں ہو سکتا لیکن اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح عمری پر جو کتاب لکھی ہے، دنیا کی تاریخ اس سے زیادہ کوئی کتاب کذب و افترا، تاویل اور تعصب کی مثال کے لئے پیش نہیں کر سکتی اس کا کمال یہ ہے کہ جس میں برائی کا کوئی پہلو پیدا نہیں ہو سکتا، صرف اپنی طباعی کے زور سے بد منظر بنا دیتا ہے۔

یورپین مصنفوں کی غلط کاریوں کی بڑی وجہ ان کا مذہبی اور سیاسی تعصب ہے لیکن بعض وجوہ اور بھی ہیں جن کی وجہ سے ہم ان کو معذور سمجھ سکتے ہیں، سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ان کا تمام سرمایہ استناد صرف سیرت تاریخ کی خلاصہ مغازی واقدی، سیرت ابن ہشام، سیرت محمد بن اسحاق، تاریخ طبری وغیرہ ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ سیرت کی تصنیفات میں سے ایک بھی نہیں جو استناد کے اعتبار سے بلند رتبہ ہو، آنحضرتؐ کی سوانح عمری کے یقینی واقعات وہ ہیں جو حدیث کی کتابوں میں بروایات صحیحہ منقول ہیں۔ یورپین مصنفین اس سرمایہ سے زیادہ بے خبر ہیں، اور ایک آدھ کوئی ہے تو اولاً وہ اس فن کا ماہر نہیں اور ہو بھی تو تعصب کی ایک چنگاری سیکڑوں خرمن معلومات کو جلانے کے لئے کافی ہے۔

دوسری بڑی وجہ یہ ہے کہ یورپ کے اصول، تنقیح شہادت اور اصول تنقیح میں سخت اختلاف ہے۔ یورپ اس بات کو بالکل نہیں دیکھتا کہ راوی صادق ہے یا کاذب، ایک چھوٹے سے چھوٹا راوی ایک واقعہ بیان کرتا ہے جو گرد و پیش کے واقعات کے لحاظ سے معلوم ہوتا ہے، بیان بالکل مسلسل ہے اور کہیں سے نہیں اکھڑتا تو یورپ کے مذاق کے موافق واقعہ کی صحت تسلیم کر لی جائے گی۔"

یہ وہ حقائق ہیں جو ہمارے بانی علامہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ ہم کو بتا گئے ہیں ان ہی کے شاگرد رشید اور جانشین مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے پیچھے یہ دعایا چھوڑ گئے ہیں۔

یورپ کے اہل علم نے جہاں علوم جدیدہ کا سرمایہ فراہم کیا اور اپنے لٹریچر کو نئے اسلوب میں شائع کیا وہاں علوم اسلامیہ کی اہمیت نے بھی ان کے علمی شغف کو اپنی طرف مائل کیا اور مستشرقین کے نام سے ایک مستقل گروہ نے عربی علوم و ادب کی حفاظت و اشاعت کو اپنی زندگی کا مقصد بنایا، ان کی یہ قابل قدر سرگرمیاں ہمارے شکریہ کی مستحق ہیں، لیکن ظاہر ہے کہ یہ علوم ان کے نہ تھے اس لئے وہ ہمدردی و محبت جو مسلمانوں کو اپنی چیزوں سے ہو سکتی ہے ان کو نہیں ہے اس لئے ان کی تحقیق و تدقیق سے جہاں فائدہ ہو رہا ہے، سخت نقصان بھی پہنچ رہا ہے جس کی تلافی آج مسلمان اہل علم کا فرض ہے۔ ان میں ایک ایسا گروہ بھی ہے جو اپنے مسیحی اور مغربی نقطہ نظر سے اسلامی علوم پر نظر ڈال کر تحقیق و ریسرچ کے نام سے ایک نیا محاذ جنگ بنا کر اسلام، داعی اسلام اور اسلامی علوم اور اسلامی تہذیب و تمدن پر بے پناہ حملے کر رہا ہے، قرآن مجید، حدیث، تصوف، سیر، رجال، کلام اور فقہ سب ان کی زد میں ہے، نہیں کہا جا سکتا کہ یورپ کے اس رنگ کے لٹریچر سے اسلام کو کس قدر شدید نقصان پہونچا ہے اور پہونچے گا۔ اگر یہ زہر اسی طرح پھیلتا رہا اور اس کا تریاق نہیں تیار کیا گیا تو معلوم نہیں کس حد تک نوجوان مسلمان دماغوں میں سمیت سرایت کر جائیگی۔

دار المصنفین کے بانی اور ان کے جانشین ہم کو جو پیام دے گئے ہیں ہم اسی پر عمل کرتے رہے ہیں، آج کا یہ علمی مذاکرہ اسی سلسلہ کی ایک زرّیں کڑی ہے، ہمیں یقین ہے کہ ہمارے ان دونوں بزرگوں کی روحیں اس اجتماع سے خوش ہو رہی ہوں گی وہ اور بھی خوش ہوں گی، جب اس مذاکرہ میں مستشرقین کے زہر کا تریاق پورے طور پر پیش کیا جائے گا جس سے امید ہے کہ پوری اسلامی دنیا بھی آگے چل کر مستفید ہوگی۔

آخر میں ایک بار پھر ہم اپنے مہمانوں کا خیر مقدم کرتے ہوئے ان کا شکریہ صمیم قلب سے ادا کرتے ہیں کہ اس دور افتادہ علاقہ میں آنے کی زحمت گوارا کر کے ہمارے ادارہ کو نوازا۔

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ أنیب۔

---

### بقیہ صفحہ ٦

حضرت شاہ علم اللہؒ کے پہلو میں جہاں اس خاندان کے بیشتر لعل و جواہر دفن ہیں وہاں یہ ایک نیا نگینہ بھی دفن ہو گیا۔ یا یوں کہئے آخرت کا مسافر اپنے ٹھکانہ پہونچ گیا، جہاں کی مہمانی روح و ریحان و جنۃ النعیم ہے اور جہاں (نُزُل) مہمانی کرنے والا رب غفور و رحیم شاکر علیم ہے۔

اللہ ایسی زندگیاں عام کر دے اور ایسی موتیں عام کر دے، اور اس ابر کرم کی چھینٹوں سے بھی محروم نہ رکھے، آمین۔

# تجاویز

دارالمصنفین اعظم گڑھ میں ۲۱-۲۲-۲۳ فروری ۱۹۸۲ء مطابق ۲۶-۲۷-۲۸ ربیع الثانی ۱۴۰۲ھ کو اسلام اور مستشرقین کے موضوع پر منعقدہ مجلس مذاکرہ کی تجاویز۔

اس مجلس مذاکرہ میں پیش کئے جانے والے مضامین نیز تجاویز کے مطالعہ سے آئندہ کے لائحہ عمل کے لئے جو نکات سامنے آئے وہ حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ اسلام اور مستشرقین کے موضوع پر جو لٹریچر موجود ہے اور آئندہ بھی جو لٹریچر سامنے آئے اس کا علمی سطح پر مطالعہ اور تجزیہ کیا جائے اور علمی و معیاری بنیاد پر مستشرقین کی غلطیوں کو واشگاف کرنے اور ان غلطیوں کی تصحیح کے لئے ایک واضح تصنیفی و تالیفی پروگرام مرتب کیا جائے۔

۲۔ اسلام، تاریخ اسلام، سیرت نبوی، تاریخ اسلام کی اہم شخصیتوں اور ان کے فکری و علمی و ادبی کارناموں سے متعلق اسکول کی سطح سے لے کر یونیورسٹیوں کی سطح تک کے طلبہ کے لئے جدید مذاق کے مطابق ایسی کتابیں تیار کی جائیں جو ان کے تعلیمی نصاب کا حصہ بن سکیں اور جن سے تعلیم و تدریس کی ہر سطح پر بچوں اور نوجوانوں کے ذہنوں کی تربیت کا کام لیا جاسکے۔

۳۔ اسلامی موضوعات پر حوالہ جات کی معیاری کتابیں تیار کی جائیں۔

۴۔ اسلام سے متعلق علم و تحقیق کے جو ادارے پہلے سے موجود ہیں ان کی علمی و تحقیقی سرگرمیوں سے واقفیت حاصل کی جائے اور ان کے یہاں جو کام ہو رہا ہے اسے موجودہ علمی و تحقیقی معیار کے مطابق اور بہتر اور مفید تر بنانے کی کوشش کی جائے۔

۵۔ تصنیف و تالیف کے اس تمام کام کا علمی معیار اور تعلیمی مرتبہ دنیا کے موجودہ معیار تحقیق اور جدید اصول تعلیم کے مطابق ہو تاکہ ان کتابوں کا مطالعہ مسلم اور غیر مسلم بھی لوگ دلچسپی سے کریں اور اسلام اور اسلام سے متعلق دیگر موضوعات پر صحیح معلومات حاصل کر سکیں اور مستشرقین کی کتابوں سے مستغنی ہو سکیں۔

۶۔ دارالمصنفین نے اسلامی موضوعات پر جو گرانقدر مطبوعات پیش کی ہیں انھیں عربی زبان اور آج کی زندہ یورپین زبانوں خصوصاً انگریزی میں منتقل کیا جائے تاکہ ان سے بڑے پیمانہ پر استفادہ کیا جاسکے اور اس طرح ہم اس مذاکرہ علمی کے مقاصد کو عملی جامہ پہنا سکیں۔

۷۔ اس مذاکرہ علمی کے شرکاء مستشرقین کی ان علمی کاوشوں کو قابل قدر سمجھتے ہیں جو انھوں نے اسلامی سرمایہ کی حفاظت اور بعض لغات اور مفید کتابوں کی نشر و اشاعت میں خالص علمی انداز سے کی ہیں، جس سے ان سے استفادہ آسان ہو گیا۔ اس سلسلہ میں ہم "المعجم المفہرس لالفاظ الحدیث، مفتاح کنوز السنۃ اور تاریخ ادب کی بعض کتابوں کا نام خصوصیت سے لے سکتے ہیں۔

اسی طرح ہم بعض انصاف پسند اور غیر متعصب مستشرقین کے مطالعۂ اسلام اور تہذیب اسلام کو قابل قدر سمجھتے ہیں اور اکثر مستشرقین کی اسلامی علوم و فنون کے متعلق غلط فہمی اور مذہبی اور سیاسی عصبیت پر رنج و افسوس کا اظہار کرتے ہیں انھوں نے اسلامی عقیدہ و شریعت، قرآن و سنت، سیرت و تاریخ اور تہذیب و تمدن کو غلط رنگ میں پیش کیا ہے جس کے بہت عوامل ہیں۔ نفسیاتی بھی، تاریخی بھی، سیاسی بھی۔

اسلام اور مستشرقین کے موضوع پر مجلس مذاکرہ کا یہ جلسہ طے کرتا ہے کہ اس موضوع پر دو دو سال کے وقفے سے یہ مجلس مذاکرہ منعقد کی جاتی رہے۔ اس سلسلہ میں یہ جلسہ دکتور شیخ یوسف القرضاوی کی اس پیش کش کو کہ دو سال بعد یہ مجلس مذاکرہ قطر میں منعقد کی جائے شکریے اور تحسین کے جذبے کے ساتھ قبول کرتا ہے۔ یہ جلسہ جناب حکیم محمد سعید صاحب کا بھی شکر گزار ہے کہ وہ یہ مجلس مذاکرہ قطر کے بعد پاکستان میں منعقد کرائیں گے۔

یہ جلسہ یہ بھی طے کرتا ہے کہ اس سلسلہ میں مزید پیش رفت کے لئے دارالمصنفین (اعظم گڑھ) میں ایک دفتر رابطہ قائم کیا جائے۔ یہ دفتر سیمنار کے فیصلوں کے مطابق عمل درآمد کرے اور اہم امور میں حسب ذیل فضلاء سے رابطہ قائم کرے:۔

| | | |
|---|---|---|
| ۱۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی | صدر مذاکرۂ علمی | |
| ۲۔ سید صباح الدین عبدالرحمٰن | ناظم | |
| ۳۔ مولانا سید احمد اکبرآبادی | مسلم یونیورسٹی علی گڑھ | |
| ۴۔ پروفیسر ضیاء الحسن فاروقی | جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی | |
| ۵۔ ڈاکٹر شیخ یوسف القرضاوی | قطر | |
| ۶۔ " عبدالصبور مرزوقی | سعودی عرب | |
| ۷۔ " محمد فتحی عثمان | لندن | |
| ۸۔ " عبدالسلام الہراس | مراکش | |
| ۹۔ " عبداللہ نصیف | سعودی عرب | |
| ۱۰۔ " عبداللہ عبدالمحسن ترکی | سعودی عرب | |
| ۱۱۔ " عبدالوہاب ابوسلیمان | سعودی عرب | |
| ۱۲۔ " عبداللہ بن عبداللہ زاید | سعودی عرب | |
| ۱۳۔ " ظفر اسحاق الانصاری | سعودی عرب | |
| ۱۴۔ پروفیسر سید حسین نصر | ایران | |
| ۱۵۔ ڈاکٹر سید سلمان ندوی | جنوبی افریقہ | |
| ۱۶۔ " محمد کمال حسن | ملیشیا | |
| ۱۷۔ جناب حکیم محمد سعید صاحب | پاکستان | |
| ۱۸۔ پروفیسر خورشید احمد | پاکستان | |
| ۱۹۔ ڈاکٹر نبی بخش بلوچ | پاکستان | |

سید صباح الدین عبدالرحمٰن اس کمیٹی کے سکریٹری ہوں گے انھیں یہ اختیار ہوگا کہ وہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے مشورہ سے دفتر رابطہ کی ضروریات اور مناسب اسٹاف مقرر کریں۔

## فہرست مقالات

| | |
|---|---|
| ۱۔ حضرت مولانا ابوالحسن علی الحسنی الندوی | اسلام اور مستشرقین |
| ۲۔ ناظم سیمنار جناب صباح الدین عبدالرحمٰن | مستشرقین کے اقسام (تقریر) |
| ۳۔ جناب ڈاکٹر یوسف القرضاوی | (" ") |
| ۴۔ ڈاکٹر عبدالصبور | |
| ۵۔ الاستاذ محمود الطنطاوی | انتشار الاسلام بالسلم لا بالسیف (عربی) |
| ۶۔ الاستاذ عبدالعظیم الدیب | الاسلام و التاریخ (عربی) |
| ۷۔ " تقی الدین ندوی | السنۃ مع المستشرقین والمستغربین (عربی) |
| ۸۔ مولانا ابواللیث ندوی | نظرۃ خاطفۃ علی موضوع الاسلام والمستشرقین (") |
| ۹۔ مولانا سید الرحمٰن اعظمی ندوی | ہذا ہو الا حماعد تناخوہ (") |
| ۱۰۔ الدکتور عماد الدین خلیل | المستشرقون والسیرۃ النبویۃ (") |



| | | |
|---|---|---|
| ۱۱۔ الاستاذ انور الجندی | المستشرقون والاسلام | (عربی) |
| ۱۲۔ " | المستشرقون والقرآن | (") |
| ۱۳۔ " | المستشرقون والسنۃ | (") |
| ۱۴۔ " | المستشرقون والسیرۃ النبویۃ | (") |
| ۱۵۔ " | المستشرقون والتاریخ | (") |
| ۱۶۔ ڈاکٹر سید سلمان ندوی (ڈربن) | اسلام اور مستشرقین | (انگریزی) |
| ۱۷۔ سید اطہر حسین صاحب | قرآن اور مستشرقین | (") |
| ۱۸۔ ظفر اسحاق انصاری | جوزف اشتھ اور صحت حدیث | (") |
| ۱۹۔ قاضی عبدالحمید صاحب | اسلام اور مستشرقین | (") |
| ۲۰۔ عبدالشکور سرفراز عالم | " " | (") |
| ۲۱۔ ڈاکٹر عبدالواحد ہالے پوتا (پاکستان) | دلفرڈ کینٹویل اسمتھ تعارف و تجزیہ | (") |
| ۲۲۔ حکیم محمد سعید | مستشرقین اور اسلامی | (اردو) |
| ۲۳۔ عبدالقدوس ہاشمی ندوی | گولڈ | (") |
| ۲۴۔ پروفیسر سید احمد اکبرآبادی | برادون اور اسلام | (") |
| ۲۵۔ ڈاکٹر پروفیسر سید امیر حسن عابدی | مستشرقین کی تاریخ کے مختلف دور اور آئندہ کی راہ عمل | (") |
| ۲۶۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی | سر ہملٹن گب | (") |
| ۲۷۔ پروفیسر ضیاء الحسن فاروقی | تمدن عرب میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم | (") |
| ۲۸۔ مفتی سیاح الدین کاکاخیل | مستشرقین اور اسلام | (") |
| ۲۹۔ ڈاکٹر شرف الدین اصلاحی | شاخت اور اصول نقہ | (") |
| ۳۰۔ ڈاکٹر محمد طفیل صاحب | عوامل اور ردعمل | (") |
| ۳۱۔ جناب سید حامد صاحب | اسلام اور مستشرقین | (") |
| ۳۲۔ سید اوصاف علی صاحب | مستشرقین کے تصور اسلام کا تاریخی پس منظر | (") |
| ۳۳۔ پروفیسر خواجہ احمد فاروقی | استشراق اور اسلام، کل اور آج | (") |
| ۳۴۔ ڈاکٹر عابد رضا بیدار | مغربی مستشرقین کے چند بنیادی مقصد | (") |
| ۳۵۔ ڈاکٹر اکمل ایوبی | | |
| ۳۶۔ ڈاکٹر مشیر الحق | دلفرڈ کینٹویل اسمتھ تعارف و تجزیہ | (") |
| ۳۷۔ مولانا ضیاء الدین اصلاحی | کیا بدھی صورتوں میں حضرت ابراہیمؑ کی شخصیت مکی صورتوں سے مختلف ہے؟ اسپنگر کے اعتراضات | (") |
| ۳۸۔ مولانا قاضی زین العابدین | مستشرقین کا اثر ہماری یونیورسٹیوں پر | (") |
| ۳۹۔ ڈاکٹر عماد الحسن فاروقی | مغرب کا تصور اسلام اور اس کے سیاسی پہلو | (") |

## نذر ثانیؒ

از غیاث الدین نگرامی ندوی

کوئی بتاؤ کہ اٹھا ہے کون محفل سے
کہ اہل بزم نظر آرہے ہیں بیدل سے
یہ سیل اشک رواں یہ ہجوم رنج و الم
کہ زندگی کا سفینہ ہے دور ساحل سے

وہی کہ جس نے لکھا تھا "ترانۂ ندوہ"
وہ جس نے نظم کیا تھا "فسانۂ ندوہ"
وہ جس کی بزم صحافت کا ترجمان "رضواں"
وہ ثانیٔ حسنیؒ شب چراغ خانۂ ندوہ

پکارتی ہے تجھے تیری مادر علمی
کہاں گیا وہ مرا لال وہ مرا "ثانی"
ادیب اور صحافی بہت ہیں دنیا میں
خدا گواہ کہ کوئی نہیں ترا ثانی

نشانِ حلم و مروت سنبھال کر رکھنا
نگارِ بزم صحافت سنبھال کر رکھنا
مقالے زہد و قناعت سنبھال کر رکھنا
زمیں سے کہہ دو امانت سنبھال کر رکھنا

## اعلانِ ملکیت و دیگر تفصیلات، فارم ۴ رول ۸

| | |
|---|---|
| مقام اشاعت | شعبۂ تعمیر و ترقی دارالعلوم ندوۃ العلماء بادشاہ باغ لکھنؤ |
| مدت اشاعت | پندرہ روزہ |
| پرنٹر کا نام | جمیل احمد |
| قومیت | ہندوستانی |
| پتہ | ۲۶۵/۴۹ وکٹوریہ گنج لکھنؤ |
| پبلشر کا نام | جمیل احمد |
| قومیت | ہندوستانی |
| پتہ | ۲۶۵/۴۹ وکٹوریہ گنج لکھنؤ |
| مجلس ادارت | (۱) نذر الحفیظ ندوی (۲) شمس الحق ندوی (۳) محمود الاظہر ندوی |
| قومیت | ہندوستانی |
| پتہ | دارالعلوم ندوۃ العلماء بادشاہ باغ لکھنؤ |
| مالک کا نام | ندوۃ العلماء لکھنؤ |

میں جمیل احمد تصدیق کرتا ہوں کہ مندرجہ بالا امور میرے علم و یقین سے صحیح ہیں۔

جمیل احمد

یکم مارچ ۱۹۸۳ء

# خدا کی نگری "الٰہ آباد" کا سپاسنامہ

## بنام .....،

از: عبید اللہ کوٹی

"الٰہ آباد کے شہریوں، مختلف تحریکوں اور اداروں نے مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ، کو بارہا استقبالیہ دیا ہے۔ مولانا کو فیصل ایوارڈ دیئے جانے کے موقع پر بھی ایسا ہی ایک اجتماع ہونے کو تھا مگر وہ حضرت مولانا کی مصروفیت کار اور ہیم اسفار کی نذر ہوگیا۔ اس موقع کے لئے الٰہ آباد کے شہریوں کی طرف سے احقر نے جو سپاسنامہ تحریر کیا تھا وہ چونکہ الٰہ آباد کے شہریوں ہی کی آواز بازگشت ہے اور اس میں ندوہ کے "تاریخی کردار" اور حضرت مولانا کے خطوط کار" کی بھی نشان دہی کی گئی ہے اس لئے وہ معمولی ترمیم کے بعد "تعمیر حیات" کے ذریعہ حضرت مولانا کی خدمت میں اور قارئین تعمیر حیات کی دلچسپی کے لئے پیش کیا جارہا ہے۔

عبید اللہ کوٹی ندوی

محترم!

ہم خدا کی قدیم نگری، الٰہ آباد کے تاریخی شہر کی جانب سے، جہاں فیصل کشور ہندوستان، ہمالہ سے آئے ہوئے دو مہان، کوہ و بیاباں اور آبادی اور ویرانوں کے نشیب و فراز کی سیر و سیاحت کرتے ہوئے دو مسافر، گنگ و جمن باہم گلے مل رہے ہیں آپ کو خوش آمدید کہتے ہیں۔

دو دریاؤں کے اس سنگم پر الٰہ آباد کے ان شہریوں کی جانب سے خوش آمدید، جنھوں نے رنگ و نسل مذہب و ملت اور فکر و خیال میں فرق و امتیاز کے بغیر عربی درس گاہوں سے، یونیورسٹی اور مختلف کالجوں سے عدالت عالیہ اور حکومت کے ایوانوں سے، علمی، تحقیقی، ادبی اور فنی دانش کدوں سے، آپ کی آمد پر بارہا یکجا ہو کر، ایک نیا سنگم ترتیب دیا ہے۔ یہ حسن خیال کی کرشمہ سازی ہو یا فکر و فن کی خوش مذاقی سے ترتیب دیا ہوا ایک حسین گلدستہ اور رنگ برنگ کے گل بوٹوں کا ایک دل آویز مرقع، بہر حال ہمارا یہ خوش گوار سنگم آپ کی ان عظیم خدمات کا اعتراف کرتا ہے جو آپ نے انسانوں کے ایک بسے سنگم کی تعمیر کے لئے انجام دی ہیں۔ وہ سنگم جو رنگ و نسل اور جغرافیائی سرحدوں کا احترام کرتے ہوئے مگر ان کی حدود و قیود سے نکل کر انسانیت کے ایک پیارے سنگم میں تبدیل ہو جاتا ہے پھر کیوں نہ ہم آپ کو خوش آمدید کہیں اور آپ کی زبان سے اپنے دل کی اور آپ کے شعور سے اپنے لاشعور کی آواز سنیں۔

ہم نے آپ کو اپنے دلوں اور شخصی گراں مائگی کے باوجود گراں باری سے بچنے کے لئے خود آپ ہی کی روایات اور حسن طبیعت کے پیش نظر بڑے بڑے خطابات اور القاب و آداب سے احتیاط برتی ہے ورنہ ہمیں علم ہے کہ عرب و عجم کے اہل نظر کی نگاہ حقیقت شناس آپ کو اس صدی کے عظیم شیخ الاسلام اور شیخ العرب والعجم کی حیثیت سے جانتی ہے۔ ہمیں اپنے وطن ہندوستان کی عزت و توقیر میں یہ اضافہ یقیناً فخر و مباہات کا موقع فراہم کرتا ہے کہ خود یہاں ہندوستان میں اور بیرون ہند عرب ملکوں میں، یورپ و امریکہ میں اسلام اور مسلمانوں سے متعلق نمائندگی ہی نہیں بلکہ قیادت اور رہنمائی کا شرف آپ کو حاصل ہوتا رہا ہے۔ اور وہ بھی بایں طور کہ عالمی کانفرنسوں میں مذہبی، سماجی، تعلیمی اور تحریکی اداروں میں، مشرقی و مغربی کی مذہبی درسگاہوں اور مغربی طرز کی یونیورسٹیوں میں، شاہی ایوانوں اور پھر علم و عرفان، روحانیت و اخلاق کے روشن دل، روشن ضمیر علماء، بزرگان و مشائخ کے پُر نور جھرمٹ میں، ہر جگہ، ہر سمت رونق بزم، چراغ محفل، علم و آگہی کی آبرو اور جان غزل آپ ہی کی ذات رہی ہے۔ آپ نے اپنے عظیم کردار اور زبردست للّٰہیت اور تواضع کی نقاب میں یہ محاسن و مفاخر خواہ کتنی ہی جد و جہد سے چھپائے ہوں مگر مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید، فیض عام ہوا اور پھر عام ہوا اور نوبت بایں جا رسید کہ تقریباً نصف صدی ہونے آئی، اس عرصہ میں عموماً، نئی نسل اور قریبی دور کا کوئی فاضل علوم مشرقیہ ایسا نہیں جس نے آپ کی تصنیفات ہی کے ذریعہ اپنی حیات علمی کا آغاز کر کے ترقی کی منازل طے نہ کی ہوں۔

ہمیں بخوبی احساس ہے کہ آپ کا خانوادہ، علم و عرفان کی ایک طلائی زنجیر ہے اور ابھی ابھی دور آخر میں ایک صدی پیشتر، اسی خانوادہ کے تابندہ گہر سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ وہ اولین شخص ہیں جنھوں نے ہندوستان میں پہلی عظیم اور منظم تحریک آزادیٔ ہند کی بنیاد ڈالی اور ہندوستان کے سب ہی باشندوں کو ایک ساتھ لے کر انگریزوں کے خلاف جنگ لڑی۔ آزادی کے بعد خواب آزادی کی تعبیر مکمل ہوئی ہو یا ادھوری رہ گئی ہو مگر اس کی پہلی باقاعدہ اور منظم کوشش آپ کے انھیں بزرگ کی جانب سے شروع ہوئی۔

آپ جس ادارہ کے ریکٹر اور ناظم ہیں یعنی شہرۂ آفاق ندوۃ العلماء لکھنؤ، تو جاننے والے جانتے ہیں کہ اس کے اکابر، تلامذہ اور مستفیدین میں سے کوئی تو علامہ اقبال کے لفظوں میں استاد الکل ہوا۔ کوئی اپنے وقت کا ابن خلکان، کسی کو علوم اسلامیہ کی جوئے شیر کا فرہاد کہا گیا تو کوئی امام الہند کے خطاب سے نوازا گیا۔ کسی نے تاریخ و ادب کا میدان سنبھالا تو کسی نے علم و معرفت کے چراغ جلائے کسی نے حدیث و فقہ میں پامال راہوں سے ہٹ کر نئی سمتوں کی نشاندہی کی تو کسی نے تبلیغ و دعوت کے لئے انسانیت کو بانگ رحیل دی۔ مگر تاریخ شاہد ہے کہ ندوۃ العلماء کے اکابر نے اپنی راہ الگ بنائی اور شہرت و عزت کی اصطلاحی پامال راہوں کے مقابلہ میں زمانہ کی نبض پر ہاتھ رکھ کر صحیح مرض کی تشخیص اور بہتر علاج کی تدبیر کی۔ انھوں نے نہ قدیم سے عار محسوس کی نہ جدید سے بدکنے کی بدعت اختیار کی۔ انھوں نے نہ تو اس تہذیب کو تقدس عطا کیا جو اہل قدامت سے وراثت میں ملی تھی اور نہ ہی اس تہذیب کو یکسر ٹھکرا ہی دیا جو جدید زمانہ کے تغیرات نے جنم دی تھی۔ انھوں نے قدیم نافع کو بھی قبول کیا اور جدید صالح کو بھی اور بڑے فخر اور شان یکتائی کے ساتھ صراط مستقیم کی واضح ڈگر پر جمے رہے۔ نہ جمود کو گوارا کیا کہ ترقی کی راہوں میں رکاوٹ بنے اور نہ ہی ترقی پسندی کو اس حد تک ہوا دی کہ کوئی قید نہ رہے اور ہر پابندی ہوا ہو جائے۔

ندوہ کے تذکرہ میں یہ دراز نفسی ہمیں آپ کی شخصیت میں پیوست تاریخی اور فکری عظمتوں سے روشناس کرتی ہے اور ہمیں یہ احساس ہے کہ اس عظیم ادارہ سے جناب کی وابستگی نہ صرف یہ کہ تاریخی اور قدیم ہے بلکہ قائدانہ حیثیت بھی رکھتی ہے۔

لیکن ندوہ کی قیادت کے ساتھ ہی کیا یہ کچھ کم قابل افتخار ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں نے صرف آپ کی رہنمائی اور قیادت میں ندوۃ العلماء کے پلیٹ فارم پر یکجا ہو کر مسلم مجلس مشاورت کی آپ کے ہاتھوں بنیاد پڑتے دیکھی۔ پھر دینی تعلیمی کونسل کے ماتحت آپ کی زیر صدارت و قیادت تیزی کے ساتھ صرف یوپی ہی میں پانچ ہزار سے زیادہ مکاتب اور مدرسے



قائم ہوئے ہندوستانی مسلمانوں اور اہل وطن کے درمیان اجنبیت کی دیوار توڑنے کے لئے، آپ کی رہنمائی میں مجلس تحقیقات و نشریات اسلام (Islamic Research & Publication) ندوہ نے اعلیٰ معیار کا سنجیدہ علمی لٹریچر انگریزی اور مختلف زبانوں میں شائع کیا اور زبان و تہذیب اور رنگ و نسل کے اختلافات میں ڈوبے ہوئے ہندوستان کو پیام انسانیت کی پُر بہار تحریک کے ذریعہ آپ نے احترام آدمیت کا سبق دیا۔ اور ایک پلیٹ فارم پر ہندو، سکھ، عیسائی، مسلمان، بدھ اور جینیوں نے شہر شہر، قریہ قریہ آپ کے پیام محبت کو دل کے کانوں سے سُنا۔

عالم اسلام کی تحریکوں میں وحدت و یکجائی اور اعتدال پیدا کرنے اور جدید نسل کو اسلامی افکار و اقدار اور اسلام کی دی ہوئی سوغات سے علمی اور تصنیفی انداز میں، انگریزی، عربی اور دوسری ملکی اور غیر ملکی زبانوں میں روشناس کرانے کے لئے جو تصنیفات اور لٹریچر آپ نے فراہم کیا اور جو خدمات آپ نے انجام دیں وہ بھی تعارف کی محتاج نہیں اور یہ بات اگر کچھ نظروں سے اوجھل رہ گئی ہو تو وہ فیصل ایوارڈ کے ذریعہ تاریخ کے صفحات پر نقش ہو چکی ہے۔ مگر اس ایوارڈ کو جو اسلامی دنیا کے لئے نوبل پرائز سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے، عالم اسلام اور مرکز اسلام کی طرف سے مخلصانہ طور پر پیش کئے جانے کے موقع پر، آپ کے خلوص و استغنا، اور شان بے نیازی نے وہ رونمائی اور در اصل رہنمائی کی کہ ہر خاص و عام کی زبان سے "شاہین را بلند است آشیانہ" کا نغمہ ہی بلند ہوا۔ مادی اعترافات اور صلہ و بخشش کے معجزات نے جس طرح سابق میں آپ کے سامنے بے بسی کا سبق لیا تھا ایسے ہی اس موقع پر بھی مادی نوازشیں نامزد تو ہوئیں کہ اخلاق و مروت کا یہی تقاضا اور کریمانہ اخلاق کا یہی صلہ تھا مگر فقر و درویشی نے لاکھوں کے اس انعام سے فیض یابی کا رُخ، افغانستان کے سامراج زدہ پناہ گزینوں اور خود عربوں کے ضرورت مند تعلیمی اداروں کی جانب کر دیا اور یہ ثابت ہو گیا کہ،

بدام و دانہ نہ گیرند مرغ دانا را

الٰہ آباد کے قدیم نگینی شہر سے آپ نے اپنے وطن کے باسیوں کو روحانیت کے بلند مقام تک پہنچانے کے لئے اجمیر و دہلی، سرہند و کلیر، اور میرٹھ و گل برگہ اور گنگوہ و گنج مراد آباد کے بزرگوں کی طرح، پیام انسانیت کی تحریک سے نوازا۔ اور اس تحریک کا آغاز کیا تھا۔

ندوۃ العلماء کی تعلیمی تحریک کی آپ نے قیادت کی ہے۔ اس کے دعوتی مشن کو آپ نے آگے بڑھایا ہے، اس کے فکری پہلوؤں کو اجاگر کیا اور اس کی تحریکی عظمت کو آپ نے دنیا میں روشناس کیا یہاں تک کہ اس کے نصاب تعلیم نے خود درس نظامی کے مرکزوں میں جگہ پائی ہے مگر ندوۃ العلماء ہی کے اس مشن کو جسے آپ نے پیام انسانیت کا نام دیا ہے موجودہ حالات میں طوفانی انداز سے شروع کرنے اور جاری رکھنے کی ضرورت ہے اور ہاں!! پیام انسانیت کے لئے یہ خوش آئند بات ہے کہ اس کے بانی اور قائد کی زندگی ایک کھلی ہوئی کتاب اور آئینہ کی طرح صاف اور شفاف ہے اور تاریخ انسانی کے سب سے عظیم فرد اور اپنے جدِ اعلیٰ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے انھوں نے کسب فیض کیا ہے اور تب ہی یہ توقع یقینی ہے کہ یہ تحریک پیام انسانیت اپنی معراج تک پہنچنے کے لئے ایک واضح خاکہ اور نصب العین رکھتی ہو اور انسانیت کے درد کا درماں بن سکے۔

آپ کے ساتھ کام کرنے والوں کی پوری ٹیم موجود ہے۔ تحریک ندوۃ العلماء کے فرزندان و وابستگان کے علاوہ دنیا کے چپہ چپہ میں آپ کے متوسلے، حاضر و موجود رہتے ہیں۔ ان میں مسلم اور غیر مسلم کی بھی کوئی قید نہیں، ہزاروں کی تعداد میں ایسے غیرت مند، باحوصلہ، پُر جوش زندگی کی توانائیوں سے بھرپور افراد ہیں جو آپ سے اس بات کے خواہشمند ہیں کہ:

بھٹکے ہوئے آہو کو پھر سوئے حرم لے چل
اس شہر کے خوگر کو پھر وسعت صحرا دے

اس دور کی ظلمت میں ہر قلب پریشاں کو
وہ داغ محبت دے جو چاند کو شرما دے
رفعت میں مقاصد کو ہم دوش ثریا کر
خود داریٔ ساحل دے آزادیٔ دریا دے

(تحریر بر مکان عبداللہ سرفراز عالم صاحب
۱۴۵، شاہ گنج۔ الٰہ آباد)
۲۲ اپریل ۱۹۸۰ء

## مولانا سید محمد ثانی رح

افتخار فریدی

حضرت مولانا سید محمد ثانی رحمۃ اللہ علیہ سے میری ابتدائی ملاقات شیخ التبلیغ مولانا محمد الیاسؒ کے آخری دور میں ہوئی تھی پھر اُسی دور میں ایک جلسۂ تبلیغی کام میں مراد آباد شہر اور اس کے اطراف میں لگا یا اس وقت خوب جوان تھے مگر جوانی کی چمک دمک سے بالکل محروم۔ اس درجہ خاموش رہتے کہ ان کو کچھ سمجھنا ممکن نہ تھا۔ ہر وہ خوبی و کمال جو حق تعالیٰ شانہٗ نے عطا فرمایا تھا اس کا بالکل انداز نہیں ہوتا تھا جتنی ضرورت جس بات کے لئے ہوتی بہت ہی سادہ طریقہ پر مختصر کلام کرتے جس کی بنا، پر ان کی خوبیوں اور کمالات کا مخاطب کو بالکل انداز نہیں ہوتا تھا۔ اب سے دس بارہ سال پہلے تک اُن سے ملاقاتیں مختلف مقامات پر بار بار گشت سے ہوتی رہیں۔ رائے پور، سہارن پور، دلی، لکھنؤ، رائے بریلی، مراد آباد اور غالباً حجاز پاک میں بھی جیسی پچیس سال کی بار ہا ملاقاتوں، گفتگوؤں میں اُن کا ایک ہی حال پایا۔ "رضوان" رسالہ عورتوں کے لئے نکالا لیکن ان کو دیکھ کر کوئی یہ انداز نہیں کر سکتا تھا کہ یہ ایسے اہم رسالے کے مدیر ہیں۔ اپنے شیخ حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی مدظلہ کے منشاء و مبارک کی بنا پر حضرت مولانا محمد یوسف کا امیر تبلیغ اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب مہاجر مدنیؒ کی سوانح عمریاں لکھیں۔ جب بھی ان کی نعت و مناجات شائع ہوتی تو اسے پڑھ کر قلب پر ایک عجیب اثر ہوتا آنکھیں بہنے لگتیں الفاظ بالکل سادہ تاثرات بے انتہا خدا اور رسولؐ کی محبت کی ایک عجیب تڑپ و کیفیت پیدا ہو جاتی اور ادا مرکی تعمیل کا عزم پیدا ہو جاتا اور محمد ثانیؒ کی عظمت و محبت اور مقام بلند کا احساس ہوتا۔

تکیہ میں تو اب اُن کے دم ہی سے رونق تھی اور وہ بھی برسوں سے وہاں کے قیام میں یکسو ہو گئے تھے۔ حضرت شاہ علم اللہؒ کے حالات میں جو سادگی یکسوئی و غربت، اخلاص و بے نفسی کے واقعات پڑھے اور سُنے ہیں ان کی جھلک مولانا محمد ثانیؒ میں خوب محسوس ہوتی تھی۔

مولانا محمد حسنیؒ، مولانا اسحاق جلیسیؒ کی جدائی کا جو غم و دریغ اکثر تڑپاتا ہے مولانا محمد ثانیؒ کی وفات نے ناقابل بیان حالت پیدا کر دی ہے۔ جی چاہتا ہے کہ ان تینوں کی کہانی کوئی لکھے۔ خدا ان کے صاحبزادگان میں اس کا جذبہ پیدا فرمادے تو انشاء اللہ باپوں کی نسبت بیٹوں کو حاصل ہو جائے گی۔

حضرت مولانا علی میاں صاحب مدظلہ، کے لئے ان تینوں کا صدمہ ایسا ہے جیسا حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو بھائی بیٹے اور خادم کی وفات سے پہنچا تھا کیا عجب ہے حق تعالیٰ شانہٗ اُن کا سا صبر و اجر عطا فرما کر اسی کا وہی کام لے جو اُن سے لیا گیا تھا والدہ محترمہ کو جتنا بھی غم ہو تھوڑا ہے لیکن اُن کے بیٹے کو حق تعالیٰ نے شہادت کا شرف عطا فرمایا ہے کیا عجب حق تعالیٰ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی والدہ حضرت اسماءؓ والا اجر عطا فرمادے۔

تبصرہ کتب

# مطالعہ کی میز پر

شمس تبریز خاں

**مطالعۂ قرآن کے اصول ومبادی:** از: حضرت مولانا ابوالحسن علی صاحب ندوی
صفحات، ۱۹۶ قیمت، ۱۲ روپے
ناشر: مکتبۂ اسلام، گوئن روڈ، لکھنؤ

قرآن فہمی، عمومی تلاوت ومطالعے کے ذریعے بھی آسان ہے اور ثواب کے علاوہ اس سے عبرت وبصیرت اور پند وموعظت کا سرمایہ بھی کسی قدر حاصل ہوجاتا ہے مگر اس کے اصل مغز ومفہوم اور گہرے حقیقی معانی ومطالب تک پہنچنے کے لئے بڑے علم وتقویٰ اور غور وتدبر کی ضرورت ہے، اسی لئے ہر دور میں علماء نے قرآن کی تفسیر اور اس کے علوم ومعارف کے تعارف کی خدمت انجام دی۔

موجودہ زمانے میں جن علمائے کرام کو قرآن کا خصوصی ذوق عطا ہوا ہے اُن میں حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہ، کا نام بھی سرفہرست ہے۔ نصف صدی پہلے دارالعلوم ندوۃ العلماء میں انھوں نے تفسیر قرآن کی خدمت انجام دی اس طرح انھیں اس فن شریف کا عملی تجربہ بھی حاصل ہوا اور پھر اس کے بعد دعوت واشاعت اسلام کی طویل مشغولیت میں بھی قرآن مجید ان کے لئے سرچشمۂ فیضان بنا رہا جس کے بہترین شواہد ان کی کتابیں "ارکان اربعہ" "منصب نبوت" "سرکۂ ایمان ومادیت" وغیرہ ہیں جن میں قرآن حکیم سے خصوصی استفادہ کیا گیا ہے۔

مولانا کے مواعظ وتقاریر میں بھی قرآن حکیم سے بکثرت استدلال نظر آتا ہے اس طرح بحیثیت مجموعی قرآن شریف ان کے فکر ونظر کا محور بنا رہا ہے۔

پیش نظر کتاب کی تحریر بھی تقریباً نصف صدی پہلے شروع ہوئی تھی مگر درمیان میں ایک طویل وقفہ ہوگیا، اب مصنف مدظلہ نے اپنی دیرینہ اور طویل قرآن فہمی کی روشنی میں ان قرآنی تحریروں پر نظر ثانی کی اور اس میں نئے مضامین کے اضافے بھی کیے اس طرح یہ کتاب قرآن پر ایک طویل غور وفکر اور تدبر وتاثر کا مبارک ثمرہ بن کر منظر عام پر آئی ہے جس کے 'رنگ وبو' 'اصحاب صورت ومعنی' کو یکساں طور پر متاثر کرتے ہیں۔

اس مختصر کتاب میں قرآن مجید کے متعدد اہم پہلوؤں کے بارے میں بہت ہی مفید مضامین آگئے ہیں جو قرآن فہمی کے لئے چراغ راہ اور مطالعۂ قرآن کے لئے رہنما اصول اور قابل اعتماد راہبر کا کام دیں گے۔

اس کتاب کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ قرآن فہمی کے اصول ومبادی قرآن ہی سے لئے گئے ہیں اور بکثرت آیات سے استدلال کیا گیا ہے۔ اور طرز بیان بلیغ، تاثر آفریں اور ایمان افروز ہے۔ اعجاز قرآن، قرآن اور صحف سماوی کے فرق، قرآن کی اہم پیشگوئیوں، اور قرآن فہمی کے مفید ومضر طریقوں پر محققانہ کلام کیا گیا ہے، اخیر میں تلاوت وتدبر قرآن کے بعض مؤثر واقعات بھی دے دئے گئے ہیں۔ اس طرح یہ کتاب مختصر ہونے کے باوجود جامعیت وافادیت کی حامل ہے اور اس سے جہاں قاری کے علم وفہم قرآن کی راہ ہموار ہوتی ہے وہیں قرآن سے ربط وتعلق اور اس پر یقین واعتماد میں بھی اضافہ محسوس ہوتا ہے جو کسی کتاب کی اہمیت وافادیت اور اسکی کامیابی کے لئے بہت کافی ہے۔

ہمیں مصنف مدظلہ کے اس خیال سے پورا اتفاق ہے کہ "اس سے قرآن مجید کے مطالعہ واستفادہ میں مدد ملے گی، اس کی ذمہ داریوں کا احساس ہوگا۔ اور بہت سی اُن مفید باتوں کا علم ہوگا جو قرآن مجید کے مطالعہ میں ممد ومعاون ہیں اور بہت سے ان خطروں اور لغزشوں سے آگاہی ہوگی جو اس کی راہ میں حائل اور مانع ہیں اور اس کے اعجاز کے بعض ایسے پہلو سامنے آئیں گے جو شاید اس تفصیل ووضاحت کے ساتھ اردو کتابوں میں ابھی تک نہ آئے ہوں"۔ (دیباچۂ کتاب)

یہ کتاب اسلامیات اور اصول تفسیر کے ذخیرے میں ایک مفید وقیع اضافے کی حیثیت رکھتی ہے اس لئے ہمیں توقع ہے کہ عوام وخواص کے حلقوں میں اس کا گرم جوشی استقبال ہوگا اور اس سے قرآن کے سمجھنے اور سمجھانے کی راہیں کھلیں گی۔ کتابت وطباعت بہت دیدہ زیب اور دل کش ہے۔

---

**خواتین اور دین کی خدمت:** از: حضرت مولانا ابوالحسن علی صاحب ندوی
صفحات: ۸۸ قیمت: ۳ روپے
ناشر: مکتبۂ اسلام، گوئن روڈ، لکھنؤ

اسلام نے مذاہب عالم کی تفریط اور جدید نظریات کی افراط سے الگ رہتے ہوئے عورتوں کے حقوق وفرائض کے سلسلے میں ایک جادۂ اعتدال پیش کیا ہے جس میں مصنوعی مساوات کے بجائے عورتوں کی فطرت وطبیعت اور مصالح ومفاد ملحوظ رکھا گیا ہے، چنانچہ ماضی میں مسلمان عورتوں نے اسلام کے عطا کردہ حقوق وفرائض کو اپناتے ہوئے دین کی قابل قدر خدمات انجام دی ہے اور کسی حد تک آج بھی دے رہی ہیں۔

حضرت مولانا مدظلہ نے مشرق ومغرب میں خواتین کے اجتماعات میں ان تاریخی حقائق کو وقتاً فوقتاً پیش کیا تھا اور بڑے موثر انداز میں ان کی دینی غیرت اور اولاد کی تربیت میں ان کے تاریخی کردار پر زور دیا تھا جنھیں اب کتابچے کی شکل میں محفوظ کر دیا گیا ہے۔

اسے پڑھ کر انشاء اللہ ملت کی مائیں بہنیں، بیٹیوں کو اپنے حقوق وفرائض کا صحیح احساس ہوگا اور ان میں مغربیت کی ظاہری کشش اور تہذیب نو کی چمک دمک سے اپنے کو محفوظ رکھنے کی فکر پیدا ہوگی۔

اخیر میں حضرت مولانا نے اپنی والدہ ماجدہ مرحومہ کے "اپنے نام" ترجمتی خطوط" بھی شامل کر دیے گئے ہیں جو خواتین کے لئے "رہنما خطوط" کی حیثیت رکھتے ہیں ہمیں امید ہے کہ خواتین اسلام اس رسالے سے خاطر خواہ فائدہ اٹھائیں گی۔

---

سید طفیل احمد مدنی

## غزل

جدا جو سلسبیل وزمزم وکوثر میں رہتے ہیں
وہ سارے ذائقے یکجا مرے ساغر میں رہتے ہیں

صدا توحید کی بت خانوں سے اٹھے تو حیرت کیا
خلیل وقت اکثر خانہ آذر میں رہتے ہیں

بھلا تبلائیں گے کیا اہل ثروت کرب کی لذت
یہ بیچارے اسیران نفس کب گھر میں رہتے ہیں

سنائی دیتی ہیں سانپوں کی پھنکاریں جہاں اکثر
ہمارا حوصلہ دیکھو ہم ایسے گھر میں رہتے ہیں

یہ بیچارے اسیران نفس سمجھیں گے کیا ان کو
عزائم جو کسی شاہیں کے بال وپر میں رہتے ہیں

اگر اک غم ہو تو شکوہ کرے کوئی زمانے سے
نہ جانے کتنے غم اک غم کے پس منظر میں رہتے ہیں

نشان سجدہ سے آخر جبیں کیسے رہے خالی
نقوش سجدہ ہائے شوق جب پتھر میں رہتے ہیں

نگاہ فتنہ زا، دزدیدہ نظریں شرگیں آنکھیں
نہ جانے کتنے فتنے اک حسیں پیکر میں رہتے ہیں

طفیل اہل جنوں نے تو یہی اکثر بتایا ہے
وہ دلہائے شکستہ اور چشم تر میں رہتے ہیں

---



(دوسری قسط)

# انسانی وجود کا مسئلہ اور اس کا حل

جناب محمود ایم۔ شیخ۔ بی۔ ایس سی۔ ایم۔ ایڈ (صدر مدرس شولاپور سوشل ایسوسی ایشن اردو ہائی اسکول، شولاپور)

مومن آدمی کے دل کی خصیص اس لئے ہے کہ غیر مومن آدمی کا دل لامکانی کی بلندی سے نیچے اُترا ہوا ہوتا ہے اور چندی اور چونی میں گرفتار ہوکر اسی کا حکم حاصل کئے ہوتا ہے۔ پس نزول وگرفتاری کے باعث چونکہ دائرۂ امکان میں داخل ہوگیا اور چونی کا حکم حاصل کر لیا اس لئے اس نے اس قابلیت کو ضائع کر دیا "اُولٰئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ ھُمْ اَضَلّ" (یہ لوگ چارپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ تر ہیں)۔

اوپر کے بیان سے ظاہر ہوگا کہ روح جو انسانیت کا حقیقی جوہر ہے اور مذہب جو خالق کائنات کی انسان کے لئے ہدایت ہے یہ کوئی خیالی بیاکھی یا مسکرات نہیں ہیں۔ روح کی معرفت تو ایک وجدانی کیفیت ہے۔ روح کی ابدیت کا انکار وجدان نہیں بلکہ وجدان کا فقدان ہے۔

ڈاکٹر عصمت جاوید نے انسان کی وجودی غیر آہنگی کی تشخیص میں بنیادی غلطی کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ وجودی غیر آہنگی کی وجہ موت کی ناگزیر اور ناقابل انکار حقیقت کا شعور ہے مگر ان کا یہ خیال صحیح نہیں ہے کیونکہ موت کی حقیقت صرف انسانی وجود کے ساتھ ہی وابستہ نہیں ہے۔ حیات ومات کی حقیقت تو ہر مخلوق کے ساتھ وابستہ ہے۔ جو بھی شئے زمان اور مکان اور چونی اور چندی میں گرفتار ہے اس کو تو ایک دن فنا ہونا ہے چاہے وہ ادنیٰ سے ادنیٰ حشرات الارض کا وجود ہو چاہے اشرف المخلوقات چاہے وہ کرۂ ارض ہی ہو چاہے آسمانوں کی فضائے بسیط میں بکھرے ہوئے ستارے ماہر فلکیات نے ستاروں کی موت اور فنا پذیری کی سیکڑوں مثالیں بتائی ہیں اور آج بھی لاکھوں نئے ستارے جنم لے رہے ہیں اور فنا بھی ہو رہے ہیں۔ قرآن نے اس حقیقت کو واضح طور پر بیان کیا ہے۔ "کل من علیھا فان ویبقیٰ وجہ ربک ذو الجلال والاکرام"۔

لہٰذا موت کا خوف وجودی غیر آہنگی کا سبب نہیں ہوسکتا۔ ہزاروں نہیں لاکھوں پاک نفوس ایسے گزرے ہیں جنھوں نے ہنستے ہوئے موت کا استقبال کیا ہے، اور اپنے مقصد حیات کی تکمیل میں دنیا بھر میں سرگشتہ پھرتے رہے، سینوں پر نیزوں کے وار جھیلے، اپنے سر کٹوا لئے اور موت میں حیات جاودانی کے مالک بنے لہٰذا موت کے خوف سے مایوسی کا شکار رہنا تو جینے کا کوئی صحیح اسلوب نہیں ہے۔

علامہ اقبال فرماتے ہیں:۔

آہ غافل موت کا راز نہاں کچھ اور ہے
نفس کی ناپائیداری سے گماں کچھ اور ہے
موت تجدید مذاق زندگی کا نام ہے
خواب کے پردے میں بیداری کا اک پیغام ہے
خوگر پرواز کو پرواز میں ڈر کچھ نہیں
موت اس گلشن میں جز سنجیدن پر کچھ نہیں

آیئے ہم دیکھیں کہ خالق انسان نے انسانی وجود کی غیر آہنگی کے بارے میں اپنے کلام پاک میں کیا فرمایا ہے۔ انا خلقنا الانسان فی احسن تقویم ثم رددناہ اسفل سافلین الا الذین آمنوا وعملوا الصٰلحٰت" (ہم نے تو انسان کو بہترین خلقت میں پیدا کیا۔ پھر اس کو پست سے پست کر دیا)

حیات نے خوب سے خوب تر کی تلاش میں لاکھوں چولے بدلے جب کہیں اشرف المخلوقات انسان کا ظہور ہوا۔ مگر خالق کائنات نے انسان کو صاحب اختیار بنایا۔ اب وہ چاہے راہ مستقیم پر گامزن ہوکر ارتقائے روحانی کے منازل طے کرے چاہے گمراہی کا راستہ چل کر تنزل کی گہری کھائیوں میں جا گرے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ، اپنی معرکۃ الآرا تصنیف "حجۃ اللہ البالغہ" میں لکھتے ہیں کہ:

"خداوند تعالیٰ نے اپنی حکمت کاملہ سے انسان میں دو قوتیں رکھی ہیں ایک تو قوت ملکیہ جو اس روح انسانی کا فیضان ہے جو روح طبعی کو ہر وقت اپنا فیض پہنچاتی رہتی ہے۔ دوسری قوت بہیمیہ ہے جس کا مبدأ ومنبع وہ نفس حیوانی ہے جو تمام حیوانات میں پائی جاتی ہے۔ ان دونوں قوتوں میں کھینچ تان ہوتی ہے۔ قوت ملکیت تو انسانی وجود کو ارتقار کی بلندی کی طرف لیجاتی ہے اور قوت بہیمی اس کو پستی کی طرف لیجاتی ہے اور انسان کو چوپائے کی دھتکار یا اس سے بھی بدتر زندگی گزارنے پر مجبور کرتی ہے"۔

یہ حالت حیات کے ارتقائی سفر میں پیچھے کی طرف لوٹ جانا ہے۔ ارتقا کا منفی رُخ ہے، رجعت ہے۔ مگر اس پستی کی کھائیوں میں گرنے سے بچنے اور ارتقائے روحانی کے ساتھ ہم آہنگ ہونیکی شاہراہ ایک خدائے برحق پر ایمان اور عمل صالح ہے۔ دنیا میں جتنے بھی دین آئے وہ صرف اسی روشنی کو لے کر آئے اور اپنے اندر انسان کی اس وجودی غیر آہنگی کا مداوا لے کر آئے۔ مذہب کو نیند کی گولیاں کہنا اور وجودی غیر آہنگی کو لاعلاج کہنا یہ کوئی دانشمندانہ بات نہیں ہے۔

انسانی وجود کو سمجھنے میں یونانی اور مغربی فلاسفہ اور مفکرین نے ہمیشہ ٹھوکریں کھائی ہیں۔ اہل مغرب کے فلاسفہ کے طرز فکر پر تین شخصیتوں اور ان کے انکشافات کا گہرا اثر پڑا ہے۔ ایک چارلس ڈارون، دوسرے کارل مارکس اور تیسرے سگمنڈ فرائڈ۔

ڈارون نے مختلف حیوانات کے جسموں میں پائی جانے والی مشابہت اور اختلاف اسی طرح ان کے جنین کے دور حیات اور نابود نسل حیوانی کے چٹانوں میں پائے جانے والے نقوش کا وسیع اور گہرا مطالعہ کرنے کے بعد ارتقائے حیوانات کا نظریہ پیش کیا۔ اس نظریے کے تحت زمین پر نباتاتی اور حیواناتی زندگی ابتدا میں کائی اور امیبا کی شکل میں پیدا ہوئی اور ترقی کرتے کرتے آج کے حیوانات اور نباتات کی شکل اختیار کی۔ سطح زمین پر ہونے والی جغرافیائی اور دیگر تبدیلیوں کے ساتھ جو حیوانات اور نباتات ہم آہنگ ہوئے وہ باقی رہے اور ترقی کرتے گئے اور جو تبدیلیوں کا مقابلہ نہ کر سکے وہ فنا ہوگئے۔ اس طرح انسان بھی ایک ترقی یافتہ حیوان ہے۔

اس نظریہ کا اثر یہ ہوا کہ یورپ کے فلاسفہ نے انسان کی اصل حقیقت کو حیوانی سمجھا اور چونکہ حیوانات جبلتوں کی سطح پر زندگی گزارتے ہیں اسی طرح انسانی افعال وافکار کو جبلتوں کا غلام ٹھہرایا اور نیچریت کا فلسفہ ظہور میں آیا اور ہر وہ نظام جو انسان کی اس خصوصیت کے منافی مقام سُنائے گا اس کی تکفیر اور تردید کی گئی۔

مگر انسان کا اصلی جوہر جسم نہیں ہے اس کی اصل حقیقت تو روحانی ہے جس کی بدولت ہی وہ تسخیر کائنات اور معرفت خداوندی حاصل کر سکتا ہے۔ جسمانی طور پر تو دیگر حیوانات کچھ چیزوں میں انسان سے زیادہ ترقی یافتہ ہیں۔ چنانچہ جو ہلکی سی ہلکی آواز ایک گھوڑا سُن سکتا ہے انسان کی قوت سامعہ اس کو نہیں سُن سکتی۔ کتوں میں قوت شامہ کی حس انسان کی قوت شامہ سے تیز ہوتی ہے۔ بلی رات کی تاریکی میں بھی اشیاء کو دیکھ سکتی ہے اور انسان نہیں دیکھ سکتا۔ جسمانی قوت میں بیشمار حیوانات شیر، ہاتھی وغیرہ انسان سے زیادہ طاقتور ہیں، پرندے ہوا میں اُڑ سکتے ہیں مگر انسان ایسا نہیں کر سکتے ان تمام بدنی کوتاہیوں کے باوجود انسان تمام حیوانات پر قابو پا سکتا ہے اور اس میں جو تسخیر کائنات کا جوہر رکھا گیا ہے اس کی بدولت ان تمام حیوانات کی تمام قابلیتوں کو پا سکتا ہے، چنانچہ انسان کی اصل حقیقت کو حیوانی جبلتوں کا غلام کہنا کور چشمی اور فقدان فکر ہے۔

(باقی آئندہ)